اسلامی شریعت اور طریقت

حضرت مجددؒ کی نظر میں



(مکتوبات کی روشنی میں)

اسلامی شریعت اور طریقت

ترتیب و تشریح

محمد موسیٰ بھٹو

ترتیب و تشریح محمد موسیٰ بھٹو

سندھ نیشنل اکیڈمی ٹرسٹ
۴۰۰-بی لطیف آباد نمبر ۴- حیدر آباد

فہرست مضامین

تعارف

حضرت مجدد الف ثانیؒ شیخ احمد سرہندی کے مکتوبات اسلامی علوم اور شریعت وطریقت کا ایک بے بہا خزانہ ہیں، اس میں اسلامی شریعت کی صحیح ترتیب اور طریقت کے ایسے صحیح خطوط واضح اور متعین کئے گئے ہیں کہ اس کے مسلسل مطالعہ سے اس دور میں بھی ذہنی، علمی اور روحانی طور پر گمراہی سے بچاؤ کی بہتر صورت پیدا ہوسکتی ہے۔ مکتوبات، اسلام کی صحیح ومتوازن شاہراہ کی تعین میں وہ کردار ادا کرسکتی ہے کہ فردوافراد کے لئے جدید فکری میلانات واثرات سے حفاظت کے ساتھ ساتھ روحانی طور پر بھی بھٹکاوت اور معارف، کشف والہام کے حجابات سے بچاؤ میں اہم حیثیت رکھتی ہے۔

اسلامی لٹریچر پر گہری نگاہ رکھنے والے جانتے ہیں کہ اسلامی فکر کی صحیح سمت کے تعین، اور قرآن وسنت سے غلط نتائج نکال کر، اس کے اہداف میں تبدیلی اور باطنی مشاہدات کے ذریعہ سلف کی راہ سے جداگانہ راہ اختیار کرنے والے صوفیاء کی غلطیوں کی مؤثر طور پر نشاندہی جیسے معاملات میں مکتوبات منفرد اور مثالی حیثیت کی حامل کتاب ہے۔ مکتوبات میں اصلاح نفس کے حوالے سے وہ سارا مواد موجود ہے، جو راہ سلوک کے متوسط ومنتہی طلبہ اور نفس مطمئنہ کے راہی فرد کو مطلوب ہے۔

زیادہ بہتر طور پر یہ کہنا صحیح ہوگا کہ مکتوبات کی ایک حیثیت تو یہ ہے کہ اس میں اسلام کے صحیح علمی وفکری خطوط اس طرح متعین کئے گئے ہیں کہ یوں محسوس ہوتا ہے کہ گویا یہ خطوط آج کے جدید انسان کی دینی معاملات میں رہنمائی کے لئے لکھے گئے ہیں اور ان کے لئے عقلیت، اجتہاد اور جدیدیت کے نام سے حد، سے تجاوز اور فکری طور پر عدم توازن کی راہ اختیار کرنے سے بہتر حکمت عملی سے روکنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ساتھ ساتھ نئے مسائل میں اجتہاد کی ضرورت پر بھی زور دے کر امت کے لئے نئے دور کے چیلنج سے عہدہ برآ ہونے کی راہیں بھی کھولی گئی ہیں۔

مکتوبات کی دوسری حیثیت یہ ہے کہ اس میں اصول تصوف اور راہ سلوک کے بنیادی خطوط اس بہتر اور مؤثر طور پر پیش کئے گئے ہیں کہ اس اعتبار سے

مکتوبات، تصوف کی نصابی کتاب کی حیثیت رکھتی ہے۔ راہ سلوک کے لوازمات کیا ہیں۔ فنائے نفس کی علامتیں، اس کے مراحل اور، اس کی حالتیں کیا ہیں، طالب کو نفس کے مکر وفریب کی کن کن صورتوں سے گزرنا پڑتا ہے، اور ان مقامات سے گذرے بغیر صوفی پر دوسروں کی تربیت کا کام سپرد کرنا کس قدر مہلک ہے۔ نیز دوران سلوک ہونے والے کشف والہام اور صورتوں وشکلوں کی حیثیت ونوعیت کیا ہے۔ فنائے نفس تک رسائی سے پہلے نفلی عبادت اور ذیلی نوعیت کے کاموں میں لگنے کے نقصانات کیا ہیں؟ غرض کہ راہ سلوک کا کوئی مسئلہ ایسا نہیں ہے، جو مکتوبات میں زیر بحث نہ آیا ہو۔ اس لحاظ سے مکتوبات ہر دور کے علاوہ اس دور میں بالخصوص اہل تصوف کی سب سے اہم اور بنیادی ضرورت ہے۔ تاکہ اس کی روشنی میں اہل تصوف اپنے حالات کا جائزہ لے کر آگے بڑھ سکیں اور دور جدید کی نفس پرستی کی طاقتور قوتوں کے مقابلہ میں افراد کی تربیت کے سلسلہ میں صحیح طور پر کردار ادا کرسکیں۔

مکتوبات کی تیسری حیثیت یہ ہے کہ اس میں تحفظ دین، احیائے دین اور خدمت دین پر غیرمعمولی زور دیا گیا ہے۔ بالخصوص جب دینی اقدار کو مٹایا جارہا ہو، دین کے بنیادی عقائد پر ضرب کاری لگائی جارہی ہے۔ الحاد ودہریت کی فضا پیدا کی جارہی ہو، اس طرح کے حالات میں باصلاحیت اور باحیثیت افراد کے کرنے کا سب سے بہتر کام یہ ہے کہ وہ اس صورتحال کی روک تھام کے لئے بھرپور کردار ادا کریں۔ راہ سلوک میں چلنے والے باصلاحیت وباحیثیت افراد کی روحانی ودینی ترقی میں بھی ان کے لئے یہ کام غیرمعمولی طور پر معاون ومددگار ثابت ہوگا۔ دینی حمیت، دین کے دشمنوں سے بغض وعناد رکھنا، دین کی مظلومیت پر کڑھنا، اس کے لئے فکرمند ہونا، اور اس کام میں اپنے حصہ کا کردار ادا کرنا، مکتوبات میں اس موضوع پر بہت زیادہ زور موجود ہے، اس سلسلہ میں حضرت مجدد کی تحریروں میں وہ درد، وہ بے تابی، اور بے پناہ اضطراب موجود ہے کہ اس کے مطالعہ سے راہ محبت کا متوسط طالب سراپا اضطراب اور سراپا فکرمند بن جاتا ہے۔

مکتوبات کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ اہل تصوف کی ذہنی وعلمی حیثیت کو دور جدید کی ذہنی وعلمی سطح سے ہم آہنگ کرنے کا ذریعہ بن سکتی ہے، اس طرح اہل تصوف کے لئے جدید افراد کے لئے رجوع کی بہتر صورت پیدا ہوسکتی ہے۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ ایک ہزار سالہ خاتمہ کے بعد دوسرے ایک ہزار سال کے لئے مجدد ہیں، مجدد الف ثانی کی شخصیت میں اللہ نے وہ تبحر علمی وہ غیر معمولی بصیرت اور آنے والے زمانہ تک کے حالات کے فہم کی وہ استعداد رکھی تھی اور انہیں روحانی اعتبار سے وہ بلندی عطا فرمائی تھی کہ گویا ہمارے دور کے حالات ومسائل کشفی طور پر ان کے مشاہدہ میں تھے، اس لئے ان کے مکتوبات میں شریعت وطریقت کے متعین کردہ خطوط واصول آج بھی رہنمایانہ نوعیت کے حامل ہیں۔

زیر نظر کتاب اگرچہ مکتوبات کی مختصر تلخیص ہے، تاہم ان مکتوبات میں وہ تاثیری صلاحیت، بلند آہنگی، زور قوت اور علمی رہنمائی کا سامان موجود ہے کہ بار بار کے مطالعہ سے بھی تشنگی دور نہیں ہوتی، ہر بار کے مطالعہ سے نئی تازگی، نئی تاثیر اور ایمان ویقین کی نئی قوت محسوس ہوتی ہے اور معلومات کا ایک نیا خزانہ ملتا ہے۔ دین پر استقامت سے چلنے کا نیا حوصلہ ملتا ہے۔

ہم نے ہر ممکن کوشش کی ہے کہ مکتوبات کی اس تلخیص کی زبان کو سہل سے سہل تر کیا جائے، تاکہ اس کے فہم کے راستے کی رکاوٹیں دور ہوں، اس کے ساتھ ساتھ ہم نے ہر مکتوب کی توضیح وتشریح کی بھی کاوش کی ہے۔ ہماری آرزو ہے کہ آئندہ ایڈیشن میں اس تلخیص میں اضافہ کرکے مکتوبات کی تینوں جلدوں کی ایک جامع تلخیص تیار ہوجائے۔

مکتوبات کی اس تیاری یعنی زبان کو آسان کرنے اور اس کی تشریح میں ہم سے جو کوتاہیاں اور غلطیاں ہوئی ہیں، اللہ تعالیٰ ہمیں معاف فرمائے۔

یہ کتاب ایک طرح کا آئینہ ہے، جس میں حضرت مجدد کے مکتوبات کی روشنی میں ہم اپنی نفسی حالت کو دیکھ سکتے ہیں۔ دوسروں کی بات ہی کیا کی جائے، اپنی حالت ہی دگرگوں اور قابل رحم ہے۔ اپنا وجود سراپا قصوروں کا مجسمہ ہے۔ ایک درویش نے جو بات کہی تھی، وہ ہم جیسے افراد کی حالت زار کو پیش نظر رکھکر ہی کہی تھی کہ دل چاہتا ہے کہ بازار میں اپنے قصوروں کا ڈھنڈورا پیٹا جائے کہ یہ وہ شخص ہے، جسے محبوب نے قیمتی زندگی عطا فرمائی تھی، اس زندگی کو اس نے غفلت وسستی اور نفس کو آسائشیں فراہم کرنے میں صرف کردیا، ایسا کرنے سے شاید نفس متنبہ ہوجائے، سنبھل جائے اور غفلت سے نکلنے پر آمادہ ہوجائے، نیز شاید اس طرح

محبوب حقیقی کی نگاہِ التفات پڑ جائے اور وہ وجود کو نفس پرستی کی دلدل سے نکالنے کی صورت پیدا کردے۔ اور غفلت کے حجابوں سے نکال کر دامن رحمت میں شامل فرمادے۔

حضرت مجددؒ کا بیان کردہ یہ نکتہ بہت اہم ہے، جسے سمجھنا از حد ضروری ہے کہ ابرار اور مقربین کے اعمال کی نوعیت ایک دوسرے سے مختلف ہوتی ہے، ابرار (یعنی نیکوکار) نفس پرستی کی قوتوں کا پوری طرح ادراک نہیں رکھتے، جس کی وجہ سے وہ روزمرہ زندگی میں نفس کی فریب کاریوں اور اس کی واردات کا شکار ہوجاتے ہیں اور ان کے اعمال میں اخلاص وللھیت پوری طرح شامل نہیں ہو پاتا اور اس میں نفس ونفسانیت کی آمیزش موجود ہوتی ہے۔

جب کہ مقربین کی حالت یہ ہوتی ہے کہ اندر میں غوطہ زن ہونے اور محبوب کے انوار حسن کی شعاؤں کی وجہ سے نفس کی ظلمات کا آئینہ ہر وقت ان کے سامنے ہوتا ہے، اس آئینہ میں جب وہ اپنے اعمال میں ظلماتِ نفس کے عکس کو دیکھتے ہیں تو وہ تڑپ اٹھتے ہیں، اس وجہ سے انہیں اپنے سے بڑھکر سیاہ کار کوئی نظر نہیں آتا اور ان کے عتاب کا نشانہ سب سے زیادہ ان کی اپنی ذات ہی ہوتی ہے۔ مقربین جوں جوں قرب میں ترقی کرتے رہتے ہیں، اللہ کی شان عظمت کے مشاہدہ اور خود احتسابی کی وجہ سے انہیں اپنی ہستی کالعدم ہوتی ہوئی محسوس ہوتی ہے اور اعمال میں نفس کی آمیزشوں کی شکایت اور محبوب حقیق کی قدر نہ کرنے کے احساس میں اضافہ ہوتا رہتا ہے، ان کی یہی ادا ہے، جو انہیں ابرار سے جدا کرتی ہے۔

مقربین کا خود احتسابی کا نہ ختم ہونے والا یہ عمل ایسا ہے، جو انہیں دعویٰ اور دوسروں کی تحقیر سے بچانے کا موجب بنتا ہے اور عبدیت کے رنگ میں رنگ جانے کا ذریعہ بھی۔ عبدیت یعنی بندہ ہونے کے ہمہ وقت احساس کا غلبہ ہی تخلیق انسانی کا اصل ہدف ہے، مقربین کا اصل ہدف اسی مقصد کا حصول ہوتا ہے۔ اللہ جل شانہ ان کی مسلسل جدوجہد اور مسلسل فکرمندی کو دیکھتے ہوئے بالآخر انہیں مقام عبدیت پر فائز فرماتا ہی ہے۔ یہی سب سے بڑی سعادت ہے جو اہل اللہ کو حاصل ہے، کاش ہمیں بھی اس کا ذرہ حاصل ہوجائے۔

۶ مارچ ۲۰۱۵ء

محمد موسیٰ بھٹو

اسلام کے صحیح علمی نقوش

اور بہتر روحانی تربیت کی صورت

حضرت مجددؒ کی نظر میں

نفس کی خواہشوں کی موجودگی میں
اللہ کی محبت کا نہ سمانا اور اس کا فلسفہ

آنحضرتﷺ کا ارشاد ہے: "المرء مع من احب" (آدمی اس کے ساتھ ہے جس سے اس کی محبت ہے)۔ پس خوش نصیب ہے، وہ فرد جس کے قلب میں اللہ کے سوا کسی کی محبت نہ ہو اور وہ اللہ کی مرضیات کے علاوہ کسی چیز کا ارادہ نہ کرے۔ ایسا فرد اللہ کے ساتھ ہی ہے، اگرچہ اس کا ظاہر مخلوق کے ساتھ ہو۔ قلب میں ایک سے زیادہ کی محبت نہیں ہوتی، جب تک کسی ایک سے محبت کا تعلق قائم ہے اس کے ماسوا سے محبت نہیں ہوگی اور یہ جو دیکھنے میں آتا ہے کہ انسان کو متعدد چیزوں سے محبت ہے، جیسا کہ مال، اور اولاد، مدح، لوگوں کی نظر میں بڑائی کا جذبہ، درحقیقت یہ ساری چیزیں مل کر ایک ہی چیز بنتی ہیں اور وہ نفس ہے۔ ان مذکورۂ بالا ساری چیزوں کی محبت اسی ایک نفس کی محبت کی شاخ ہے، کیونکہ فرد یہ ساری چیزیں نفس ہی کے لیے چاہتا ہے۔ بذات خود یہ اشیاء مقصود نہیں ہوتی، جب فرد (یعنی طالب سے) اپنے نفس کی محبت زائل ہوئی تو ان ساری چیزوں کی محبت بھی زائل ہوگئی۔ اسی لیے کہا گیا ہے کہ بندہ اور رب کے درمیاں اصل حجاب نفس ہی ہے، دنیا حجاب نہیں ہے، اس لیے کہ دنیا فی نفسہ بندے کا مقصود نہیں کہ اس کو حجاب قرار دیا جائے۔ بندے کا مقصود تو نفس ہے، لہٰذا وہی حجاب بھی ہے۔ پس جب تک فرد، نفس کی خواہشوں سے خالی نہ ہوگا رب اس کا مقصود نہ بنے گا اور اس کے دل میں محبت خدا نہیں سما سکتی۔ یہ دولت عظمیٰ (یعنی اللہ کی کامل محبت) فناء مطلق

کے بعد ہی حاصل ہوتی ہے (یعنی نفس کی قوتوں کی بڑی حد تک پامالی کے بعد) اور فناء مطلق ذاتی تجلی سے تعلق رکھتی ہے، نفس کے ظلمات کا دور ہونا، آفتاب کے طلوع ہوئے بغیر ممکن نہیں۔ جب یہ محبت جس کو ذاتی محبت سے تعبیر کیا جاتا ہے، حاصل ہوگئی۔ تو مُحب کے نزدیک محبوب کی طرف سے غم وتکلیف دونوں مساوی ہوگئے، اخلاص بھی اسی وقت حاصل ہوگا، اب طالب اپنے رب کی عبادت اپنے نفس کے لیے نہیں کرے گا کہ انعام طلب کرے اور رنج وغم کو دفع کرے، اس لیے کہ اس مقام پر پہنچ کے بعد یہ دونوں چیزیں اس کے نزدیک برابر ہوجاتی ہیں۔ الخ

(مکتوب ۲۴، دفتر اول، بنام محمد قلیچ خاں)

تشریح

اس مکتوب میں جملہ اہل اللہ کے تجربات ومشاہدات اور تعلیمات کا نچوڑ پیش فرمایا گیا ہے کہ جب تک قلب میں دوسری چیزوں کی محبت موجود ہے، تب تک اس میں اللہ کی محبت سما نہیں سکتی، اگرچہ رسمی طور پر فرائض کی بجا آوری کی صورت بھی پیدا ہوتی رہے، لیکن غیروں کی محبت قلب کو اللہ کی طرف سے دور کرنے کا سبب بنتی رہے گی۔ نفس، جو قلب کو یرغمال بنائے رکھتا ہے، اس کی اصلاح کی صورت ذکر وفکر اور صحبت اہل اللہ کے ذریعہ اسے فنا کے مقام تک پہنچانا ہے، فنا کے مقام تک رسائی کے بغیر نہ تو قلب کو نفسی قوتوں سے آزادی حاصل ہوسکتی ہے اور نہ ہی قلب میں اللہ کی محبت مستحکم ہوتی ہے۔

محبوب حقیقی اور بندے کے درمیاں اصل حجاب نفس اور اس کی قوتیں ہیں، جب تک ان قوتوں کے اثرات کا غلبہ موجود ہے، تب تک اللہ مقصود نہیں بن سکتا، اللہ تو فرد کا اسی وقت حقیقی مقصود ومعبود بنتا ہے، جب خواہشات نفس کا بت خانہ ٹوٹ پھوٹ جاتا ہے، اور اس بت خانہ کے سامنے نہ صرف سجدہ ریز ہونے سے بیزاری پیدا ہوتی ہو۔ بلکہ اس بت خانہ کی طرف دیکھنے سے ہی وحشت پیدا ہونے لگتی ہو۔ جب تک طالب کا سفر اس مقام تک نہیں پہنچتا اور وہ فنائے مطلق سے

حالت بقا میں نہیں آتا، تب تک ذکر وفکر اور صحبت اہل اللہ کے مستقل اہتمام کی ضرورت لاحق رہتی ہے۔

جب اسم ذات کی تجلیات سے قلب آفتاب نور سے منور ہوجاتا ہے تو نفس کی تہذیب کا عمل پائیدار صورت اختیار کر جاتا ہے۔

اس کے بعد ہی فرد کو محبوب حقیقی کی رضامندی کی زندگی نصیب ہوتی ہے اور بندہ محبوب کی عطا یا عدم عطا کو یکساں سمجھنے لگتا ہے۔

اگرچہ بعض کچھ افراد کے ساتھ اللہ کا خاص الخاص فضل شامل ہوجائے اور انہیں ان مراحل سے گذارے بغیر بھی نفس کے بت خانے سے نجات فرمائے اور اپنی کامل رضامندی والی زندگی نصیب فرمائے، لیکن یہ استثنا ہے۔ اللہ کی اصل سنت یہی ہے، جو بیان فرمائی گئی۔

اس مکتوب کی روشنی میں اگر ہم اپنا جائزہ لیں تو معلوم ہوگا کہ ہم جیسے عامی طالب تو نفس پرستی کے سمندر میں غوطہ زن ہیں۔ فنائے مطلق تو دور کی بات ہے، سرے سے فنا کے بنیادی اجزاء سے محرومی ہے۔

ہماری اس طرح کی حالت میں اللہ ہمارا حقیقی مقصود ومعبود بن جائے، دشوار ہے، اسی کا نتیجہ ہے کہ عام طور پر موجودہ اہل تصوف مال ودنیا کے خوف وخطرات سے دوچار ہیں اور مالداروں کو گھیرے میں رکھنے کے لئے متفکر رہتے ہیں۔ مرتب)

علم کا اہل علم کے لئے حجت قائم کرنا
(علمائے سوء کے حوالے سے بحث)

اہل علم کا دنیا سے محبت کرنا اور اس سے رغبت رکھنا، ان کے چہرۂ جمال پر بدنما داغ ہے۔

ایسے علماء سے اگرچہ خلق کو فائدہ حاصل ہوجائے، لیکن ان کا علم خود ان کے حق میں نافع نہیں ہوتا۔ اگرچہ ان سے تائیدِ شریعت اور تقویت ملت کا کام ہو، مگر یہ تائید وتقویت فاسقوں وفاجروں سے بھی ہوجایا کرتی ہے، جیسا کہ سید الانبیاءﷺ

نے مردِ فاجر کے متعلق تائیدِ دین خبر دی ہے اور فرمایا ہے۔ ''ان اللہ لیؤید ھذا الدین بالرجل الفاجر'' (بیشک اللہ تعالیٰ دینِ اسلام کی خدمت کسی مردِ فاجر سے بھی لے لیتا ہے) ایسے علماء پارس پتھر کی مانند ہیں کہ تانبا اور لوہا جو بھی اس تک پہونچتا ہے سونا ہوجاتا ہے، لیکن وہ خود پتھر ہی ہے۔

جو آگ پتھر اور بانس میں پوشیدہ ہے، اس کا حال بھی یہی ہے کہ مخلوق کو تو اس آگ سے نفع حاصل ہوتا ہے، لیکن خود وہ پتھر اور بانس اپنی آتش درونی سے بے نصیب ہیں، بلکہ میں کہتا ہوں کہ یہ علم ان علماء سوء کے حق میں نقصان رساں ہوتا ہے اس لیے کہ وہ ان پر حجت قائم کر دیتا ہے۔ (مکتوب ۳۳، دفتر اول، بنام حاجی محمد لاہوری)

تشریح

اہل علم اس وقت جس آزمائش سے دوچار ہیں، وہ دنیا ومادیت کے غیر معمولی دباؤ کی آزمائش ہے، ہر شخص چاہتا ہے کہ اس کے پاس سامان زندگی کی بہتات ہو، کثرت ذکر کے نور سے دل کے خالی ہونے کی وجہ سے دنیا ومادیت کے اس سیلاب سے مقابلہ کی قوت موجود نہ رہی۔ پھر علم اپنے ساتھ حب جاہ کے جو احساسات لاتا ہے، وہ بھی اپنا کام کر رہے ہیں، اس طرح خود اہل علم کے بگاڑ کی داخلی وخارجی بہت ساری صورتیں پیدا ہوگئی ہیں، جب تک علم کے ساتھ نور معرفت کے حصول کے لئے مجاہدے نہیں ہوں گے، علم کی آفت سے بچاؤ کی صورت کا پیدا ہونا دشوار ہے خدمت دین کا کام یقیناً اہمیت کا حاصل ہے اور بڑی سعادت کا کام ہے، لیکن دین کی تائید ومدد پر اکتفا کرنا، باطن میں موجود نفس پرستی کے بتوں سے نجات کی فکر کا نہ ہونا اور اس کے لئے ذکر وفکر کے مجاہدوں سے کام نہ لینا، یہ ایسی حماقت ہے جو مفاسد میں مبتلا ہونے کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ اکبر بادشاہ کے دور میں ان کو بعض ذہین علماء نے اپنے ذاتی اغراض ومقاصد کی خاطر، نئے دین الٰہی کی راہ اختیار کرنے اور اس نئے دین کے بنیادی خطوط متعین کرنے میں اہم کردار ادا کیا تھا،!

اس وقت بھی معاشرہ میں مسلمانوں میں فرقہ واریت کو فروغ دینے اور ایک دوسرے کے خلاف نفرت کی فضا پیدا کرنے میں اہل علم ہی کا کردار ہے۔ علم کے ساتھ اگر تقویٰ اور خشیت الٰہی نہیں ہے تو ایسے علم کی مثال ڈاکوؤں کو ہتھیار فراہم کی سی ہے۔ جب کہ بغیر ہتھیاروں کے ڈاکو خوفناک لوٹ مار نہیں مچا سکتے۔ مرتب)

شیطان کا کام، اہل علم کے سپرد ہونا

ان اشد الناس عذابا یوم القیامة عالم لم ینفعه الله بعلمه . (بیشک قیامت کے دن سب سے زیادہ شدید عذاب اس عالم پر ہوگا جس کے علم سے اللہ تعالیٰ نے اس کو نفع نہیں پہونچایا) اور (علم ایسے علماء کے حق میں) مضرت رساں کیوں نہ ہو، جبکہ اس علم کو جو اللہ کی نظر میں دنیا کی ساری چیزوں سے زیادہ عزیز اور اشرف ہے اسے دولت دنیا اور مال وجاہ وریاست کا ذریعہ بنایا ہوا ہے۔ حالانکہ یہ چیزیں حق تعالیٰ کی نظر میں ذلیل وخوار ہیں اور بدترین مخلوقات۔ پس عزیز خدا کو حقیر کرنا اور اللہ کے نزدیک جو چیز ذلیل ہے (دنیا) اس کو عزت دینا انتہائی بڑا فعل ہے، یہ حقیقت میں اللہ تعالیٰ سے مقابلہ کرنا ہے۔ درس وتدریس اور افتاء کا عمل اس وقت نافع ثابت ہوتا ہے، جبکہ خالص اللہ کے لئے ہو اور وہ حب جاہ وریاست اور حصولِ مال اور شان وشوکت کے جذبات سے خالی ہوں۔ اور اس کی علامت دنیا ومافیا سے بے پرواہ اور بے رغبت ہونا ہے، جو علماء دنیا کی محبت کے مرض میں مبتلا ہیں، وہ علماء دنیا ہیں اور یہی علماءِ سوء، مخلوق میں سب سے زیادہ شریر اور دین کے رہزن ہیں۔ چاہے وہ اپنے آپ کو مقتدائے دین اور بہترین خلائق جانتے ہوں۔ **وَيَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ عَلَىٰ شَيْءٍ أَلَا إِنَّهُمْ هُمُ الْكَاذِبُونَ اسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطَانُ فَأَنسَاهُمْ ذِكْرَ اللَّهِ أُولَٰئِكَ حِزْبُ الشَّيْطَانِ أَلَا إِنَّ حِزْبَ الشَّيْطَانِ هُمُ الْخَاسِرُونَ.** (گمان کرتے ہیں کہ وہ کچھ مفید کام انجام دے رہے ہیں۔ آگاہ رہو یقیناً وہ لوگ اپنے اس خیال میں جھوٹے ہیں، ان پر شیطان غالب آگیا ہے، اس نے اللہ کی یاد کو ان کے دلوں سے فراموش کر دیا ہے، یہ جماعت لشکرِ شیطان ہے۔ آگاہ رہو کہ بے شک وشبہ لشکرِ شیطان کے افراد

خسارے میں ہیں)۔ (ایضا)

تشریح

علم کے ساتھ معرفت کے اجزاء کا حاصل ہونا ضروری ہے، معرفت عام طور پر کسی اہل اللہ کی صحبت سے حاصل ہوتی ہے۔ دوسری صورت میں علم اپنے ساتھ دعویٰ اور حب مال کے جذبات ساتھ لاتا ہے، آج کل علم کے ذریعہ سے معاشرہ میں جو انتشار وتفریق موجود ہے، اس کا بنیادی سبب معرفت کے اجزاء سے محرومی ہے۔ معرفت خود احتسابی کا ذریعہ ہے۔ معرفت ایک ایسا آئینہ ہے، جس میں فرد اپنے نفس کی حالت اور اس کی خوبیوں وخامیوں کا ہر وقت خود ہی مشاہدہ کرتا رہتا ہے، معرفت کی اس اہمیت کی وجہ سے ہی امت میں صدیوں سے علم کے ساتھ معرفت اور روحانی تربیت کا بھی خصوصی اہتمام رہا ہے بدقسمتی سے موجودہ دور میں علم سے تزکیہ اور تہذیب نفس کے کام کو جدا کر دیا گیا ہے، جس کی وجہ سے علم، معاشرہ میں محبت ورواداری اور اخلاق حسنہ پیدا کرنے اور جوڑ کی بجائے افراد معاشرہ میں توڑ پیدا کرنے کا ذریعہ بن گیا ہے۔ اور خدا سے قربت کی بجائے نفس سے قربت کا موجب بن گیا ہے۔

علم سے دعویٰ وتکبر جیسے جراثیم کو نکالنے کے لئے صحبت علمائے ربانی اور ذکروفکر کے غیرمعمولی مجاہدوں کی ضرورت ہے۔ اس کے بعد ہی علم، افراد اور خود معاشرہ کے لئے باعث خیر بن سکتا ہے۔ مرتب)

علماء آخرت کی سیاہی کو شہداء کے خون سے وزن کیا جائے گا

وہ علماء جو دنیا سے بے رغبت ہیں اور جاہ وریاست، مال ورفعت کی محبت سے آزاد ہیں، وہ علماء آخرت ہیں، اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کے وارث ہیں۔ بہترین خلائق وہی ہیں کل قیامت میں ان کے قلم کی سیاہی کو شہداء فی سبیل اللہ کے خون کے ساتھ وزن کیا جائے گا اور ان کی سیاہی کا پلہ غالب رہے گا۔ نوم

العلماء عبادۃ (علماء کی نیند عبادت ہے) یہ ایسے ہی علماء کے حق میں ثابت ہے۔ یہی وہ افراد ہیں کہ جمال آخرت جن کی نظر میں مستحسن ہے اور دنیا کی بُرائی ان کے مشاہدے میں آگئی ہے، انہوں نے آخرت کو پائدار دیکھا ہے اور دنیا کو زوال سے داغدار پایا ہے۔ بیشک انہوں نے خود کو باقی کے سپرد کر دیا اور فانی سے علیحدہ رکھا ہے۔ دنیا کو ذلیل رکھنا عظمتِ آخرت کے لوازم میں سے ہے۔ دنیا وآخرت آپس میں سوتن سوتن ہیں، اگر ایک راضی ہوئی، دوسری ناراض ہوگئی۔ اگر دنیا عزیز ہے تو آخرت خوار ہے اور دنیا خوار ہے تو آخرت عزیز ہے۔ ان دونوں کا جمع ہونا، ایک دوسرے کی ضد ہے۔ ہاں مشائخ کی ایک جماعت نے جس نے اپنی خودی اور اپنے ذاتی ارادہ سے نجات حاصل کر لی ہے، صحیح نیتوں کے ساتھ اہلِ دنیا کی صورت بنالی ہے اور بظاہر راغبِ دنیا نظر آتے ہیں، لیکن فی الحقیقت ان کو کوئی تعلق دنیا سے نہیں ہے۔ دنیا ومافیا سے ان کا باطن بالکل آزاد اور فارغ ہے۔ **رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَن ذِكْرِ اللَّهِ**. کوئی چھوٹی بڑی تجارت ان کے حق میں ذکر خدا سے مانع نہیں ہوتی۔ وہ تجارت وبیع سے تعلق رکھتے ہوئے بھی بے تعلق ہیں۔ حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند قدس سرہ نے فرمایا ہے کہ: میں نے منیٰ کے بازار میں ایک تاجر کو دیکھا کہ کم وبیش پچاس ہزار اشرفیوں کا مال اس نے خریدا اور بیچا، لیکن اس کا دل ایک لحظہ کے لیے بھی حق تعالی سے غافل نہیں ہوا۔ ایضا)

تشریح

علماء کی اصل شان، دنیا سے بے رغبت ہونا اور فکر آخرت کا استحضار ہے، آپ کا بیان کردہ یہ نکتہ بہت اہم ہے کہ دنیا کو ذلیل رکھنا، عظمت آخرت کے لوازمات میں سے ہے۔ اصل علماء وہی ہیں، جن کا دل اللہ کے ذکر اور اس کی خشیت سے سرشار رہتا ہے، یہی علماء لوگوں کی رہنمائی کر کے، انہیں ظلمات نفس سے بچانے کا ذریعہ بنتے ہیں۔

اس مکتوب میں حضرت مجدد نے علماء ومشائخ کے لئے دنیا سے بے نیازی کی روش اختیار کرنے پر غیر معمولی زور دیا ہے، یہ مکتوب موجودہ دور کے بالخصوص مجددیہ

سلسلہ سے وابستہ ان سجادہ نشینوں کے لئے لمحہ فکریہ ہے، جو درویشی وبزرگی کے نام پر سرمائیداروں اور وڈیروں کی طرح شان ومان سے رہتے ہیں۔ خادموں اور نوکروں چاکروں کے جلو میں رہتے ہیں۔ عام لوگوں کی ان تک رسائی دشوار تر ہے، البتہ ان کے دروازے مالداروں کے لئے ہر وقت کھلے ہیں۔ سرمائیداروں اور وڈیروں سے مشابہت والی یہ زندگی درویشی اور بزرگی کے تقدس کو مجروح کرنے کے مترادف ہے۔ یہاں اس حدیث شریف کو پیش رکھنا بھی ضروری ہے کہ ''علماء کرام دین کے امین ہیں، لیکن جب وہ مالداروں سے تعلقات قائم کریں گے تو وہ دین کے رہزن بن جائیں گے'' اللہ، ہمیں اس حدیث کا مصداق بنانے سے بچالے۔ مرتب)

طریقت کا مقصد
شریعت کے علاوہ اور کچھ نہیں

شریعت کے تین جزو ہیں: (۱) علم (۲) عمل (۳) اخلاص۔ جب تک یہ تین جزموجود نہ ہوں شریعت ثابت نہ ہوگی اور شریعت متحقق نہ ہوگی۔ اللہ کی یہ رضا ہی دین ودنیا کی ضامن ہے، اب کوئی مقصد نہ رہا کہ جس کے لئے شریعت کے علاوہ کسی اور چیز کی ضرورت ہو۔ طریقت وحقیقت، جن کے ساتھ صوفیاء ممتاز ہیں دونوں شریعت کے جز ہیں سوم یعنی اخلاص کی تکمیل کی خدمت انجام دیتے ہیں۔ پس ان دونوں کی تحصیل سے غرض شریعت کی تکمیل ہی ہے، نہ کہ شریعت کے علاوہ کوئی اور چیز احوال ومواجید، علوم ومعارف، جو صوفیاء کو دوران سلوک حاصل ہوتے ہیں، وہ مقاصد نہیں ہیں، بلکہ ان کی حیثیت ان خیالات کی ہے، جن سے طریقت کے بچوں کی تربیت ہوتی ہے۔ ان سب چیزوں سے آگے بڑھ کر مقام رضا کے مقام تک پہونچنا چاہئے، کیونکہ یہی وہ مقام ہے۔ جو سلوک کا انتہا ہے۔ اس لیے کہ طریقت وحقیقت کی منزلوں کو طے کرنے سے مقصود اخلاص کا حصول ہے، اخلاص کے سوا اور کچھ نہیں۔ رضائے باری تعالی کا یہی ذریعہ ہے تجلیات ومشاہداتِ عارفانہ سے گذار کر اخلاص اور مقام رضا تک ہزار میں سے کسی ایک کو مشکل سے پہونچایا جاتا ہے۔

کوتاہ نظر لوگ احوال وکیفیات کو مقاصد میں شمار کرتے ہیں اور مشاہدات وتجلیات کو مطالب میں، اسی وجہ سے وہ وہم خیال کے قید میں رہتے ہیں اور کمالات شریعت سے محروم۔ ہاں یہ بات ضرور ہے کہ مقام کے حصول اور اللہ کی رضا کے وصول کے لئے یہ حالات وکیفیات اور علوم ومعارف راہ کے لوازمات میں سے ہیں، یہ حقیقت مقصود نہیں۔ آنحضرت ﷺ کے صدقے میں مجھ پر کامل دس سال تک اس راہ میں چلتے رہنے سے یہ حقیقت واضح ہوئی ہے، اور ''شاہد شریعت'' کما حقہ جلوگر ہوا ہے، اگرچہ میری شروع سے یہ حالت تھی کہ میں احوال وجد میں گرفتار نہ تھا اور شریعت پر استقامت سے گامزن ہونے کے علاوہ کوئی مقصد میرے پیش نظر نہ تھا، لیکن پورے دس سال کے بعد مجھ پر یہ حقیقت پوری طرح منکشف ہوئی۔ (مکتوب ۳۶ دفتر اول بنام حاجی محمد لاہوری)

تشریح

شریعت کی یہ تشریح کہ وہ علم، عمل اور اخلاص کے تین اجزاء پر مشتمل ہے۔ ان تینوں میں اگر ایک ہی جز کی کمی ہوگی تو فرد کی شریعت ناقص اور ناقابل قبول سمجھی جائے گی۔ یہ بہت بہترین تشریح ہے، جب علم، عمل اور اخلاص، یہ تینوں چیزیں حاصل ہوگئیں تو اس کے بعد کسی مزید چیز کے حاصل ہونے کی قطعا کوئی ضرورت لاحق نہیں، لیکن علم اور عمل کی کچھ توفیق حاصل ہو بھی گئی تو اخلاص وللھیت کا حصول اور سارے اعمال میں خالص اللہ کی رضامندی کے مقصود کا پیش نظر ہونا، یہ سب سے زیادہ دشوار کام ہے۔ اگر زندگی کی توانائیاں خرچ کر کے بھی اخلاص کی دولت عظمٰی حاصل ہوجائے تو سستا سودا ہے، اس لئے کہ اللہ کے ہاں اعمال کی قبولیت کا مدار اخلاص سے وابستہ ہے۔

اس مکتوب میں حضرت مجدد نے ایک غلط فہمی کو دور فرمایا ہے، وہ یہ کہ تصوف وراہ سلوک کا مقصود کشف وکرامات اور دوسری دنیا کے مشاہدات نہیں، بلکہ صرف اور صرف اسلامی شریعت پر استقامت سے گامزن ہونا ہے، اس مکتوب کی روشنی میں

جب تصوف کی عام کتابوں یا اہل تصوف سے وابستہ افراد کی طرف سے کشف ومواجید پر زور واصرار سامنے آتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ منزل راہ کی درمیانی چیزوں کو فیصلہ کن اہمیت دے کر، اصل منزل تک رسائی سے دوری اختیار کرلی گئی ہے، اس لئے ہزار میں سے بمشکل ایک فرد منزل پر پہنچ پاتا ہے۔ مرتب)

شریعت، طریقت اور حقیقت کی تشریح
اتباع رسول ﷺ کی اہمیت

باطن، ظاہر کا مکمل کرنے والا ہے، ان دونوں میں باہم گر سر مو مخالفت نہیں، مثلا جھوٹ زبان سے نہ بولنا شریعت ہے، اور دل میں جھوٹ کا خطرہ نہ آنے دینا طریقت وحقیقت ہے۔ جس کی تفصیل یہ ہے، اگر یہ بات اہتمام سے کرنی پڑتی ہے تو طریقت ہے، اور اگر کوشش کے بغیر ازخود یہ استعداد حاصل ہے تو حقیقت ہے۔ پس حقیقت میں باطن یعنی طریقت وحقیقت۔ ظاہری شریعت کی تکمیل کرنے والا ہے۔ پس راہ سلوک کے طالبوں پر اگر دوران سلوک ایسے امور ظاہر ہوں، جو بظاہر شریعت کے مخالف ہیں تو اسے غلبۂ حال پر سمجھا جائے گا۔ ہر وہ چیز جس میں اخلاق وشمائل محبوب ظاہر ہوں طبعیت محبوب، محبوب ہوجاتی ہے۔ آیۃ **فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللهُ** (اے رسول! کہہ دیجئے، کہ میری اطاعت کرو اللہ تم سے محبت کرے گا اس آیت میں اسی چیز کا بیان ہے۔ پس نبی علیہ الصلواۃ والسلام کی اطاعت کی کوشش کرنا، طالب کو محبوبیت کے مقام تک پہنچاتا ہے۔ اس لئے ہر عاقل فرد پر ظاہری اور باطنی طور پر اللہ کے رسول ﷺ کے اتباع کے لئے کوشاں ہونا لازمی ہے۔ (مکتوب ۳۹ دفتر اول بنام شیخ محمد خیری)

تشریح

تصوف کی ساری ریاضتوں کا حاصل اللہ کی اطاعت اور اللہ کے رسول ﷺ کی ہر سنت پر عمل پیرا ہونا ہے۔ ''طریقت'' کا اصل مقام یہی ہے، جس میں اسلامی

شریعت اور ہر سنت پر عمل پیرا ہونا آسان ہوجاتا ہے۔ ''طریقت'' میں مسلسل مجاہدوں سے گذرنا پڑتا ہے، اور نفس کے خلاف شدید معرکہ آرائی کرکے اسے اسلامی شریعت پر چلانا پڑتا ہے۔ظاہر کی اصلاح ہونا شریعت ہے، جب کہ باطن کی اصلاح ہوکر، اللہ سے مناسبت کا تعلق پیدا ہونا اور مستحکم ہونا، یہ طریقت ہے۔ جب شریعت وطریقت میں استقامت حاصل ہوجائے اور شریعت پر اخلاص کے ساتھ عمل پیرا ہونے کے ذریعہ اللہ کی رضامندی کا مقصد،زندگی کا ہدف بن جائے تو یہ ''حقیقت'' ہے۔ اس ''حقیقت'' تک رسائی کے بعد طالب کے ذکروفکر کے غیرمعمولی مجاہدے کم ہوجاتے ہیں اور اس میں دوسروں کی تربیت کی فکر غالب آنے لگتی ہے۔ مرتب)

پُر آشوب دور میں تھوڑے سے عمل کا بھی زیادہ عمل میں شمار ہونا

كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاس. (آیۃ) (یعنی تم بہترین امت ہوئے جس کو لوگوں کے فائدے کے لیے پیدا کیا گیا ہے) کا امتیاز ان کے لیے ''نقدِ وقت'' ہے۔ اس کے مقابلے میں آنحضرتﷺ کی تکذیب کرنے والے بدترین بنی آدم ہیں۔ أَلْأَعْرَابُ أَشَدُّ كُفْراً وَنِفَاقاً. (یعنی منکر بدوفکر اور نفاق میں سخت ترین ہیں) ایسے لوگوں کی نشاندہی آیت کررہی ہے دیکھنا چاہئے کہ، کس خوش نصیب کو اتباع سنت کی دولت سے نوازا جاتا ہیں اور شریعت کی پیروی سے سرفراز کیا جاتا ہے۔ اس (پُر آشوب) زمانہ میں کئے ہوئے اس تھوڑے سے عمل کو جو آنحضرتﷺ کے دین کی تصدیق کے ساتھ انجام دیا جائے ''کثیرعمل'' کے درجہ میں رکھا جائے گا۔

اصحاب کہف نے جو اعلیٰ درجات حاصل کیے، وہ صرف ایک نیکی کی وجہ سے ہی تو حاصل کیے تھے (جو بر وقت ہوئی تھی) اور وہ نیکی نورِ ایمان ویقین کے ساتھ ہجرت کا عمل تھی، ایسے وقت میں جبکہ حق کے مخالفوں کا غلبہ ہورہا تھا۔ مثال کے طور پر لکھتا ہوں کہ سپاہی اگر دشمنوں کے غلبے کے زمانے میں (وفاداری کے ساتھ) تھوڑی سی جدوجہد بھی کرتے ہیں تو ان کی وہ جدوجہد بہت ہی نمایاں اور قابل قدر

شمار ہوتی ہے جب کہ امن کے زمانہ کی جدوجہد اور وفاداری کا اعتبار ویسا نہیں ہوتا پھر چونکہ آں سرورؐ، رب العٰلمین کے محبوب ہیں، اس لیے آپ کے متبعین، آپ کی اطاعت کے طفیل محبوبیت کے مرتبے پر فائز ہوتے ہیں، یہ قاعدہ ہے کہ محبّ، جسے اپنے محبوب کے اخلاق وشمائل پر دیکھتا ہے اسے محبوب رکھتا ہے۔ مخالفینِ دین کی بدبختی کا بھی یہیں سے اندازہ کرنا چاہئے۔

محمدؐ عربی کا بروئے ہر دوسر است
کسے کہ خاکِ ورش نیست خاک برسر او

اگر ہجرت ظاہر میسر نہیں تو ''ہجرت باطنی'' کو بہت زیادہ ملحوظ رکھا جائے کہ بظاہر تو لوگوں کے ساتھ ہیں لیکن درحقیقت ان کے ساتھ نہ ہوں (یعنی ان کا غلط رنگ قبول نہ کریں) اللہ تعالیٰ آپ کو اپنے آباء کرام کے راستے پر ثابت قدم رکھے۔ (مکتوب ۴۴ دفتر اول بنام شیخ فرید بخاری)

تشریح

اس مکتوب میں راہ سلوک میں چلنے والے باصلاحیت وباحیثیت طالب کو تاکید کی گئی ہے کہ وہ سلوک مکمل ہونے کا انتظار کئے بغیر اپنے دائرہ میں جزوی طور پر خدمت دین اور تحفظ اسلام کا کام شروع کردے، ذکر وفکر اور صحبت کے ذریعہ ہونے والے اس کام میں برکت ہوگی اور ان شاء اللہ اس کام میں نفسی آمیزشوں سے بچاؤ کی صورت پیدا ہوگی،البتہ دوسروں کی تربیت کا کام منتہی صوفی ہی کرسکتا ہے۔ تحفظ اسلام کے محاذ پر مبتدی ومتوسط بھی کردار ادا کرسکتا ہے، اگر اس نکتہ کو سمجھا جائے تو اہل تصوف کی طرف سے باطل سے مقابلہ کے محاذ پر غیرمعمولی خدمت کا کام ہوسکتا ہے۔ فتنہ کے زمانہ میں دین کے دفاع کے کام کی اہمیت غیرمعمولی طور پر بڑھ جاتی ہے اور اس محاذ پر ہونے والا کام ''کثیرعمل'' میں شمار کیا جائے گا، اس لئے کہ لوگوں کو الحاد ودہریت ولادینیت سے بچاکر، انہیں دین کی طرف راغب کرنا، انہیں اللہ کے عتاب سے بچا کر، سعادت دارین کی راہ پر گامزن کرنا ہے۔ اس اعتبار سے یہ

کام ذاتی عبادت اور اور انفرادی ذکروفکر کے کام سے کئی گنا زیادہ اہمیت کا حامل ہوجاتا ہے اور اللہ کے دین کی نصرت کی وجہ سے اس کی نظر میں پسندیدہ ہوجاتا ہے۔ مرتب)

انسان کی ساری مخلوق سے افضل اور بدترین ہونے کے بیان میں

فرد جس طرح باطنی یکسوئی کا محتاج ہے، اسی طرح ظاہری یکسوئی کا بھی محتاج ہے بلکہ ظاہری یکسوئی زیادہ اہم ہے (ورنہ پراگندہ روزی پراگندہ دل) انسان ساری مخلوق میں سب سے زیادہ محتاج واقع ہوا ہے اور اس میں یہ محتاجی اس کی جامعیت کی وجہ سے آئی ہے۔ ساری مخلوق کو جتنا کچھ درکار ہے، اتنا کچھ اس ایک انسان کو درکار ہے اور وہ ہر چیز کا محتاج ہے، اس سے وہ تعلق بھی رکھتا ہے۔ اس لحاظ سے اس کے تعلقات ساری مخلوق سے زیادہ ہیں اور ہر تعلق ایسا ہے جو اسے جناب قدس سے روگردان کر دیتا ہے۔ اس لئے اس اعتبار سے ساری بدترین مخلوق میں بھی یہی انسان ہے اور حال یہ کہ اس کی جامعیت ہی ساری مخلوق سے افضلیت کا باعث بنی ہوئی ہے، اس لحاظ سے اس کا آئینہ اتم واکمل ہے، جو کچھ تمام مخلوقات کے آئینوں میں ظاہر ہوتا ہے، فرد کے اس ایک آئینے میں وہ سب کچھ آشکارا ہے، لہٰذا ایک حیثیت سے انسان بہترین مخلوق ہوا، اور دوسری حیثیت سے بدترین مخلوق۔ (مکتوب ۴۵ دفتر اول بنام شیخ فرید بخاری)

تشریح

انسان، نفس اور روح دونوں سے مرکب ہے، نفس، فرد کو مادی دنیا اور اور مادیت میں مستغرق رکھنا چاہتا ہے، تاکہ اس کے مادی حسن کے جذبات کی تسکین کا سامان ہو سکے، جب کہ روح، فرد کو محبوب حقیقی کے ذکر وعبادت اور اس کی اطاعت کی طرف لانا چاہتا ہے، تاکہ روح کو قرار مل سکے، لیکن اس کشمکش میں عام طور پر نفس غالب آجاتا ہے، اس لئے کہ مادیت پرستی کے ماحول کے غلبہ کی وجہ سے فرد

میں نفس پرستی کی عادتیں مستحکم ہوجاتی ہیں، یہ انسان کے ساتھ سب سے بڑا المیہ ہے کہ وہ نفس پرستی کی دلدل میں پھنس کر روح کو اس کی غذا دینے میں ناکام رہتا ہے۔ جس کی سزا اس دنیا میں یہ ملتی ہے کہ معاشرہ فساد سے دوچار ہوجاتا ہے، فردوافراد کا سکون غارت ہوجاتا ہے۔ آخرت میں اس کی سزا محبوب کے جلال کی صورت میں ملے گی، جو ناقابل برداشت سزا ہوگی۔ مرتب)

ایمان کی حقیقت کا، تزکیہ نفس کے بعد حاصل ہونا

اگر کوئی نابینا ہے تو اس میں آفتاب کا کیا قصور؟ سیر وسلوک، تزکیۂ نفس اور تصفیۂ قلب سے مقصود باطنی اور قلبی امراض کا ازالہ ہے، تاکہ حقیقتِ ایمان حاصل ہوجائے۔ آیت کریمہ فِیۡ قُلُوۡبِهِمۡ مَّرَضٌ (یعنی ان منافقین کے دلوں میں مرض ہے) اس قلبی مرض کا پتہ دے رہی ہے۔ باطنی بیماریوں کی موجودگی میں اگر ایمان ہے بھی تو اس کی حیثیت ظاہری ایمان کی سی ہے،اس لیے کہ نفس امارہ ایمان کے خلاف اکسا رہا ہے اور اپنے کفر کی حقیقت پر اصرار کر رہا ہے۔ اس ظاہری ایمان کی مثال ایسی ہے، جیسا کہ صفراء کی بیماری والے کو شیرینی کی ظاہری حلاوت کا یقین ہوجائے جب کہ خود اس کا ذوق وجدان اس کے یقین کے خلاف ظاہری حلاوت کا ہے۔ اس کو تو شیرینی کا حقیقی یقین اس وقت حاصل ہوگا جب اسے صفراء کے مرض نجات حاصل ہوگی۔ یہی صورت تزکیۂ نفس اور اطمینان نفس کی ہے کہ مکمل تزکیہ کے بعد ہی ایمان کی حقیقت ظاہر ہوتی ہے اور وہ وجدانی بنتی ہے۔ ایسا ایمان زوال سے محفوظ رہتا ہے۔ آیۃ: "اَلَاۤ اِنَّ اَوۡلِیَآءَ اللّٰهِ لَا خَوۡفٌ عَلَیۡهِمۡ وَلَا هُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ."

آگاہ ہو کہ بیشک اللہ کے دوستوں پر خوف وحزن نہیں ہوگا) ایسے ہی لوگوں کی شان میں ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو ایسے ہی ایمان کامل سے مشرف فرمائے۔ بحرمتہ النبی الامی ﷺ۔ ایضا)

تشریح

چونکہ تزکیہ نفس کے بغیر نفس پرستی کے بتوں کی نوعیت اور باطن میں موجود

فسادی قوتوں کی واردات کو سمجھنا غیر معمولی طور پر دشوار ہے، اس لئے ذکر وفکر کے ذریعہ نفسی قوتوں کے خلاف شدید نوعیت کی معرکہ آرائی کے بغیر ایمان کی حقیقت اور اس کی اصلیت ثابت نہیں ہوتی، یہی وہ بنیادی بات ہے، جسے اگر سمجھا جائے تو فرد کے لئے ایمان کے استحکام کی جدوجہد مقصود بن جاتی ہے، ایمان کے استحکام کے بغیر فرد وافراد کی بیشتر سرگرمیوں میں نفس پرستی کے اثرات موجود ہوتے ہیں۔ جس کا مشاہدہ راہ سلوک کے طالبوں کو ہمہ وقت ہوتا رہتا ہے کہ نفس اور اس کی قوتیں کس طرح اس کی نیت میں فساد برپا کرنے کے لئے کوشاں رہتی ہیں اور اس سلسلہ میں نفس کی واردات کتنی خوفناک ہوتی ہیں۔اس لئے باطنی بیماریوں کے ازالہ کے کام کو فیصلہ کن اہمیت دے کر ایمان کی حقیقت کا حصول سارے کاموں سے زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔

اگر فرد میں حالت ایمان میں دعویٰ وتکبر کے جذبات طاقتور صورت میں موجود ہیں۔ حسد اور حب مال کی بیماریاں بھی موجود ہیں تو اس صورت میں ایمان کی حقیقت کہاں رہتی ہے، ایمان کی حقیقت تو اس وقت مسلم ہوجائے گی، جب اللہ کی محبت، اس کی رضامندی اور اللہ کی چاہت کے سامنے ساری چاہتیں دب جائیں یا اس چاہت کے تابع ہوجائیں۔ حضرت مجدد کا بیان کردہ یہ نکتہ ایسا ہے، جس پر ہم میں سے بہت افراد کی نظر نہیں جاتی اور عام طور پر ہماری ساری زندگی باطنی بیماریوں کے ساتھ ظاہری ایمان پر اکتفا کرکے گذر جاتی ہے۔ سنبھلنے اور بیدار ہونے کی ضرورت ہے، تاکہ ایمان جیسی بنیادی نعمت کی حقیقت حاصل ہو سکے۔ مرتب)

نصرتِ دین میں کوتاہی سے
کارخانہ اسلام میں خلل کا واقع ہونا

زمانہ گذشتہ میں جو مصیبت اہلِ اسلام پر واقع ہوئی وہ ان علماء سوء کی نحوست ہی کا نتیجہ تھا۔ یہی علماء سوء بادشاہوں کو راہِ راست سے ہٹادیتے ہیں۔ باہتر فرقے، جنہوں نے گمراہی کی راہ اختیار کی، ان کے سرغنہ اور سربراہ یہی علماء سوء

تھے، علماء سوء کے علاوہ جو بھی گمراہی کی راہ پر چلا، اس کے اثرات دوسروں تک کم پہنچتے ہیں۔ اگر کوئی شخص ہر قسم کی استطاعت وطاقت رکھنے کے باوجود امدادِ دین میں کوتاہی کرے گا اور اس کوتاہی کے نتیجہ میں کارخانہ اسلام میں خلل واقع ہوگا تو وہ کوتاہی کرنے والا اللہ کے عتاب میں مبتلا ہوگا۔ اس بنا پر یہ عاجز بھی چاہتا ہے کہ اپنے آپ کو دولتِ اسلام کے معاونین کی جماعت میں شامل رکھے اور اس بارے میں کوشاں ہو، من کثر سواد قوم فہو منہم (جو جس جماعت کی تعداد میں اضافہ کرے وہ اسی میں سے ہے) اس حدیث کی رو سے ممکن ہے کہ حق تعالیٰ اس بے استطاعت کو بھی (معاونین اسلام) میں داخل کردیں۔ اپنی مثال اس بڑھیا کی سی سمجھتا ہوں، جس نے ایک سوت کی انٹیالے کر خود کو حضرت یوسف علیٰ نبینا علیہ السلام کے خریداروں کی فہرست میں شامل کرلیا تھا۔ (بنام شیخ فرید بخاری)

تشریح

علم کے ساتھ اگر تقویٰ وخشیت موجود نہ ہو تو ایسا علم جلد ہی خواہشات نفس کی تکمیل کا ذریعہ بننے لگتا ہے۔ اکبر بادشاہ نے اپنے آخری دورِ حکومت میں نئے دین کی جو راہ اختیار کی، وہ علمائے سوء کی غلط رہنمائی کے ردعمل کا نتیجہ تھی۔ بلکہ نئے دین کی تشکیل میں انہیں بعض علماء سوء کی فکری رہنمائی بھی شامل تھی۔

جب حکومت کا نظام دین سے بغاوت پر متشکل ہو تو ایسے دور میں احیائے اسلام کی جدوجہد دین کے سارے کاموں سے زیادہ اہمیت کی حامل بن جاتی ہے، اس طرح کے حالات میں علمائے ربانی کا اضطراب بڑھ جاتا ہے اور وہ تحفظ اسلام اور بقائے اسلام کے لئے سراپا جہد بن جاتے ہیں۔

اس مکتوب میں فرمایا گیا ہے کہ دین کی نصرت کی استعداد رکھنے کے باوجود اس میں کوتاہی کرنے سے دین کا جو نقصان ہوگا، وہ اللہ کے عتاب کا موجب ثابت ہوگا۔ موجودہ دور میں جب کہ دین کی مظلومیت آخری حدود چھونے لگی ہے اور لادینیت سارے محاذوں پر غالب ہوتی جارہی ہے۔ ایسی حالت میں دین کے

علمبرداروں کی طرف سے مختلف محاذوں پر دین کے لئے منصوبہ بندی سے کام نہ کرنا، اللہ کے عتاب کو دعوت دینے کے برابر ہے حضرت مجدد کے بیان کردہ اس نکتہ پر متنبہ ہونے کی ضرورت ہے۔مرتب)

اسلام کی مظلومیت کے دور میں
شریعت کی ترویج کے لئے کام کرنا، سارے کاموں سے افضل ہونا

قیامت میں شریعت کے متعلق سوال کیا جائے گا، نہ کہ تصوف کے بارے میں۔ جنت کا داخلہ اور آتشِ دوزخ سے نجات، شریعت کی پابندی سے ہی وابستہ ہے۔ انبیاء علیہم السلام جو کہ بہترین کائنات ہیں، انہوں نے شرائع کی دعوت دی ہے اور نجات کا مدار بھی شریعت ہے اور انبیاء کی بعثت کا مقصد بھی شریعتوں کی تبلیغ ہی ہے۔ پس سب سے بڑی نیکی شریعت کو رائج کرنے کی سعی کرنا اور اس کے احکام میں سے کسی، حکم کا زندہ کرنا ہے، بالخصوص ایسے زمانے میں جب کہ اسلامی شعائر مٹ رہے ہوں، راہِ خدا میں کروڑوں روپیہ خرچ کرنے سے بھی افضل ہے، اس لیے کہ شرعی مسئلہ کو رائج کرنے میں انبیاء کی پیروی اور ان کے تبلیغی کام میں شرکت ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ مخلوقات میں بزرگ ترین ہیں اور کامل ترین نیکیاں انہیں کے لیے ثابت ومسلم ہیں۔ کروڑوں روپیہ خرچ کرنا تو انبیاء کے علاوہ دوسروں کو بھی میسر ہوسکتا ہے۔ علاوہ ازیں شریعت کی ادائیگی میں نفس کی پوری پوری مخالفت ہوتی ہے، اس لیے کہ شریعت نفس کے خلاف واقع ہوئی ہے، لیکن مال خرچ کرنے میں کبھی نفس، موافقت بھی کرلیتا ہے۔ ہاں شریعت کی تائید اور ترویج ملت کے لیے مال خرچ کرنا بہت بلند مرتبہ رکھتا ہے، ایک پیسہ کو دین کی اشاعت وفروغ کی نیت سے خرچ کرنا بغیر نیت کے لاکھوں روپیہ خرچ کرنے کے برابر ہے۔ وہ شخص جس سے بہت سوں کی نجات وابستہ ہو، ظاہر ہے کہ اس شخص سے بہتر ہوگا، جو اپنی ہی نجات کی فکر رکھتا ہو۔ البتہ وہ صوفی جو ''فنا وبقا'' کے بعد اور سیر عن اللہ اور سیر باللہ کے مقام طے کرنے کے بعد عالم میں گشت لگائے اور لوگوں کی طرف متوجہ ہوکر دعوت دین کا کام کرے اور مقام نبوت سے حصہ رکھتا ہو، وہ شریعت کے مبلغوں میں شامل ہے،

وہ حکم علمائے شریعت رکھتا ہے۔ (مکتوب ۴۸ دفتر اول بنام شیخ فرید بخاری)

تشریح

جب اسلامی شریعت کا تقدس پامال ہوتا ہو، اسے مٹانے کی کوششیں جاری ہوں، اسلامی عقائد واقدار کے خلاف سازشیں ہورہی ہوں تو ایسی صورت میں شریعت کے تحفظ کے لئے میدان میں آنا، سب سے بڑا جہاد ہے، حمیت دین کی سعادت سے بڑھکر کوئی سعادت حاصل نہیں،اسلامی دعوت کا کام، جس سے اسلامی شریعت کے تحفظ وبقا کا دارو مدار وابستہ ہے، وہ انبیاء کرام کا مقصدی کام ہے،ان کی بعثت کا مقصد ہی یہی رہا ہے، رسالت کے خاتمہ کے بعد یہ کام امت کی طرف منتقل ہوا ہے۔ بندوں تک دین کی دعوت پہنچانا، دعوتی سرگرمیوں کو ہدف بنانا، یہ انبیاء کی پیروری اور اور ان کے تبلیغی کام میں شرکت کے مترادف ہے۔ چونکہ دین کی حفاظت اور اس کا تسلسل اسی دعوتی کام سے وابستہ ہے، اس لئے یہ کام بعض اوقات دوسرے کاموں سے زیادہ افضل ہوجاتا ہے۔

اس مکتوب میں دعوتی کام کی حیثیت اجاگر کرکے، ہماری سرگرمیوں کے رخ کو اس طرف موڑنے کی کاوش فرمائی گئی ہے،اللہ کی سنت رہی ہے کہ تحفظ اسلام کے کام کی بیشتر سعادت انہی افراد کو حاصل ہوتی ہے، جو ایمان ویقین کی دولت سے بہرہ ور ہوتے ہیں اور ان کی دینی جدوجہد میں نفسی آمیزش شامل نہیں ہوتی۔علمائے ربانی جو طویل عرصہ تک نفس کے خلاف معرکہ آرائی کرکے اسے مہذب بنانے میں کامیاب ہوتے ہیں، ان کا اصل ہدف اسلامی شریعت کے بقا کے لئے جدوجہد اور طالبوں کی تربیت کرکے، انہیں اس کام میں لگانا ہوتا ہے۔ اس سلسلہ میں حضرت مجدد کے یہ دوتین مکتوبات موجودہ دور کے علمائے ربانی کے لئے لمحہ فکریہ ہیں۔ مرتب)

دنیا کا زہر قاتل اور متاع بے سود ہونا

دنیا بظاہر شیریں ہے اور صورۃ تازگی رکھتی ہے، لیکن حقیقت میں وہ ایک زہر قاتل ہے اور متاع باطل ہے اور بے سود گرفتاری ہے، اس کا حاصل کرنے والا خوار

ہے، اور اس کا فریفتہ مجنوں، دنیا کی حیثیت سونے کے ورق سے لپٹی ہوئی نجاست کی سی ہے اور ایسے زہر کی سی ہے، جس میں شکر ملا ہوا ہو۔ عقلمند شخص وہ ہے، جو اس کھوٹی پونجی پر نہ ریجھے اور خراب مال میں گرفتار نہ ہو، فقہاء نے کہا ہے کہ اگر کوئی شخص وصیت کرے کہ میرا مال عقلمند کو دینا تو وہ مال ایسے شخص کو دیا جائے گا، جو دنیا کی طرف راغب نہ ہو، اور یہ بے رغبتی اس کی انتہائی عقلمندی کی دلیل ہے۔ (مکتوب ۵۰ دفتر اول بنام شیخ فرید بخاری)

تشریح

دنیا ہر دور میں ابتلا وآزمائش رہی ہے، لیکن اس دور میں مادی حسن ومادی سامان کی بہتات نے دنیا کی خوبصورتی میں غیرمعمولی طور پر اضافہ کیا ہے۔ زیب وزینت سے سرشار دنیا سے بچنے کی ساری صورتیں مسدود ہیں، سوائے متقی وعلمائے ربانی کی صحبت کے، بدقسمتی سے موجودہ دور میں ہر فرد کی سرگرمیوں کا مرکز دنیا بن کر رہ گئی ہے۔ دولت کے جنوں نے وہ صورت پیدا کردی ہے کہ فرد وافراد کے لئے اس کے علاوہ دوسری بات سننے کے لئے دل میں گنجائش ہی موجود نہیں۔ دولت ودنیا سے جنوں کی یہ حالت (جو اس وقت پیدا ہوگئی ہے) ساری انسانی تاریخ میں مادیت پرستی کی یہ فضا شاید ہی کبھی پیدا ہوئی ہو۔ مرتب)

نفس کی طرف سے
دعوائے الوھیت کی کاوشوں کا ہونا

مخدوما! انسان کا نفس امارہ حب جاہ وریاست پر مخلوق ہوا ہے اور اس کی ساری توجہ یہ ہے کہ دوسروں پر برتری حاصل ہوجائے، وہ چاہتا ہے کہ ساری مخلوق اسی کی محتاج ومطیع ہو اور وہ خود کسی کا محتاج ومحکوم نہ ہو (درحقیقت) یہ نفس کی طرف سے ایک قسم کا دعویٰ الوہیت ہے اور خدائے بے ہمتا جل شانہ کے ساتھ شرکت چاہتا ہے۔ بلکہ یہ نفس بے سعادت اس شرکت پر بھی راضی نہیں ہے، بلکہ وہ تو یہ

چاہتا ہے کہ صرف وہی حاکم ہو، باقی اس کے محکوم ہوں۔ لہذا نفس کی چاہتوں، جاہ وریاست وغیرہ حاصل کراکے، اس کی پرورش کرنا گویا، دشمن خدا کی مدد کرنا اور اسے تقویت دینا ہے۔ اس امر کی قباحت اچھی طرح ذہن نشین کر لینا چاہئے۔

حدیث قدسی میں وارد ہوا ہے۔ الکبریاء ردائی والعظمة ازاری فمن نازعنی فی شیء منهما ادخلة فی النار ولا ابالی. (اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ بَرتری میری چادر ہے اور عظمت وبزرگی میری ازار ہے، پس جو کوئی مجھ سے ان دوچیزوں کے بارے میں منازعت کرے گا میں اس کو آتش دوزخ میں داخل کردوں گا اور کچھ پرواہ نہ کروں گا)۔ اللہ کے نزدیک دنیا اسی بنا پر ملعون ومبغوض ہے کہ اس کا حاصل ہونا، نفس کی مُرادوں کے حصول میں معاون ہے۔ پس جو دشمن کو مدد دے گا وہ یقیناً لعنت کا مستحق ہوگا۔ (مکتوب ۵۲ دفتر اول بنام شیخ فرید بخاری)

تشریح

انسانی نفس کی سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ وہ اللہ کی شان کبریائی وشان عظمت کے مقابلہ میں اپنی بڑائی اور اپنی برتری چاہتا ہے۔ اور اللہ کے دوسرے بندوں پر اپنی بڑائی مسلط کرنا چاہتا ہے، معاشرہ میں سارا فساد، فرد کی نفسیات کے اس بگاڑ کی وجہ سے ہی ہے، اگر فرد، صاحب اقتدار ہے تو اس کی کوشش یہ ہے کہ باقی سب اس کے تابع ہوں، اگر فرد تاجر ہے تو اس کی چاہت یہ ہے کہ تجارت میں بس اس کی ایک ہٹی قائم ہو، اگرفرد، علم کی مسند پر قائم ہے تو وہ اپنے علم کے مقابلہ میں دوسروں کی علمی حیثیت کو قبول وتسلیم کرنے کے لئے تیار ہی نہیں، بڑائی اور شیخوخیت کا یہ تقاضا اتنا طاقتور ہے کہ راہ سلوک میں سالک سے سب سے آخر میں جو چیز نکلتی ہے، وہ یہی دعویٰ وانانیت ہے، اس لئے شخصیت کے انانیت کے بت کو منہدم کرنے کے لئے مجاہدے ازحد ناگزیر ہیں، مجاہدوں کے بغیر چارہ کار ہی نہیں۔ موجودہ دور میں دینی جدوجہد اور نیکوکاری کے روپ میں نفس کی قوتیں جس طرح کارفرما ہوگئی ہیں، اس کا اندازہ ان مذہبی گروہوں کی سرگرمیوں سے لگایا جا سکتا

ہے، جو اپنے علاوہ دوسروں کی تکذیب وتردید بلکہ تکفیر کی راہ پر گامزن ہیں۔ اس کا بنیادی سبب تکبر ودعویٰ کی نفسیات ہی ہے۔ وہ دین اور اس کی حقیقت اور اس کے تقاضوں کو علمائے اہل حق سے سمجھنے کی بجائے نفس کے یرغمال شدہ عقل سے سمجھنا چاہتے ہیں، نفس، انہیں جو راہ سجھاتا ہے، وہ یہ ہے کہ علماء نہ صرف دین کے حقیقی فہم سے قاصر ہیں، بلکہ وہ زمانہ ساز ہوگئے ہیں، اس لئے سلف خلف اور موجودہ علماء سے بغاوت کی راہ یعنی جدید خارجیت کی راہ اختیار کی گئی ہے، جو اس وقت امت کا بڑا المیہ ہے، اس کی وجہ سے نئے نئے گروہ پیدا ہو کر، جہاد کے نام پر اپنے مخالف گروہوں اور ریاست سے بغاوت اور قتل وغارت گری شروع کردیتے ہیں۔ مرتب)

اللہ کی طلب اور اسے برقرار رکھنے کی صورتیں

اگر اللہ تعالیٰ عطا کرنا نہ چاہتا تو طلب کو ہی پیدا نہ کرتا۔ طلب کی نعمت کو نعمت عظمیٰ تصور کرکے، اس کے مخالف سے بچنا چاہئے، ایسا نہ ہو کہ طلب میں سستی واقع ہوجائے اور اس حرارت میں کمی واقع ہوجائے، طلب کو قائم رکھنے کے اسباب میں سے سب سے بڑا سبب ایک تو اللہ کا شکر بجالانا ہے کہ اس نے طلب عطا فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: لَئِن شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ (اگر تم شکر وگے تو میں ضرور بالضرور زیادہ عطا کروں گا) (طلب کو برقرار رکھنے کا) دوسرا سبب، بارگاہ الٰہی میں مستقلاً عاجزی اور التجا اختیار کرتے رہنا ہے، تاکہ وہ طالب کے رخ کو اپنے ''کعبۂ جمالِ لایزال'' سے نہ پھیرے۔ اگر التجا اور عاجزی کی حقیقت حاصل نہ ہو تو کم از کم اس کی صورت تو اختیار کرنی چاہے۔ حدیث: وان لم تبکو فتباکوا (اگر تم کو رونا نہ آئے تو رونے کی صورت ہی اختیار کرو) اس حقیقت کو ظاہر کر رہی ہے، دردو وشوق کی یہ حفاظت اس وقت تک ہے، جب تک کہ شیخ کامل ومکمل میسر نہ آئے اور جب ایسا شیخ مل جائے تو اپنی دل کی ساری چاہتیں اس بزرگ کو سونپ دے، اور جس طرح میت غسل دینے والے ہاتھ میں ہوتی ہے، اس طرح خود کو اس کے سپرد

کردے۔ شروع میں طالب کو اپنی کمال پستی کی وجہ سے اللہ جل سلطانہ سے مناسبت نہیں ہوتی، اس کے لئے ایسی شخصیت کی ضرورت ہے جس کو آخرت ودنیا دونوں سے مناسبت ہو، وہ شیخ کامل ہے۔ (مکتوب ۶۱ دفتر اول بنام سید محمود)

تشریح

راہ محبت کا سفر اپنے دل کو مکمل طور پر اہل اللہ کے حوالے کرنے اور ان سے محبت کے نتیجہ میں ہی شروع ہوتا ہے۔ اہل اللہ، چونکہ اپنے نفس کا، اللہ سے سودا کر چکے ہوتے ہیں، اس لئے ان میں روحانی فیض رسانی کی پوری استعداد موجود ہوتی ہے۔ اہل اللہ کے اس فیض سے بہرہ ور ہونے کے لئے ضروری ہے کہ طالب اپنے دل خالی کرکے ان کے حوالے کرے، اس سے آہستہ آہستہ دل سیراب ہونے لگتا ہے۔ موجودہ دور میں فتنوں کے غلبہ کی وجہ سے حقیقی اہل اللہ نایاب ہوگئے ہیں۔ جو موجود ہیں، انہیں پہنچاننا دشوار ہے، اس لئے کہ ان کے ہاں روایتی پیری مریدی کے لوازمات سرے سے موجود ہی نہیں۔ دنیا سے دوری، بے نفسی اور دوسروں کی خدمت، خود نمائی سے آخری حد تک بچاؤ جیسی صفات نے انہیں لوگوں سے چھپا دیا ہے۔ مرتب)

ناقص شیخ کی صحبت ہلاکت کا باعث ہونا

طلب میں خرابی وسُستی آجانے کا ایک بڑا سبب، ایسے ناقص شیخ کی طرف رجوع کرنا ہے، جس نے راہ سلوک باقاعدہ طے نہیں کی ہو اور یوں ہی مسند نشین ہوگیا ہو طالب کے لئے اس کی صحبت اختیار کرنا زہر قاتل ہے اور اس کی طرف رجوع ہونا مہلک مرض ہے۔ ایسی غلط صحبت طالب کی بلند استعداد کو پست کردیتی ہے اور اسے بلندی سے گڑھے میں دھکیل دیتی ہے، مثال کے طور پر یوں سمجھو کہ اگر کوئی مریض کسی اناڑی طبیب سے دَوا لے کر استعمال کرے، تو اس کا ایسا کرنا، درحقیقت اپنے مرض میں اضافہ کرنے، اور اس کے ساتھ ہی) ازالۂ مرض کی

صلاحیت کو ضایع کرنے کے برابر ہوگا، اگرچہ شروع میں اس دوا سے مرض میں کچھ کمی واقع کیوں نہ ہو، لیکن وہ مریض کی صحت کے لئے سخت نقصان دہ ہے، اگر وہ طبیب حاذق کے پاس پہونچے گا تو وہ اولا اس پہلی دوا کی تاثیر کو دور کرنے کے لیے مسہلات سے علاج کرے گا، جب اس کا پہلا اثر زائل ہوگا، تب مرض کے ازالہ کی فکر کرے گا۔ بزرگانِ نقشبندیہ کا طریقت کا مدار صحبت شیخ پر ہے۔ محض گفتگو سے کام نہیں، بلکہ گفتگو سے تو طلب میں سستی (وکمی) رونما ہوجاتی ہے۔ (مکتوب ٦١ دفتر اول بنام سید محمود)

تشریح

ناقص شیخ سے مراد نفس کی فنائیت کے مراحل سے گذر کر حالت بقا میں آئے بغیر مشیخیت کے مقام پر فائز ہونے والا شیخ ہے۔ اس طرح کے ناقص شیخ سے وقتی طور پر کچھ بہتر باطنی کیفیات پیدا ہوسکتی ہیں اور سلوک کی کچھ راہیں بھی طے ہوسکتی ہیں، لیکن اس سے ایک تو نفس پرستی کا جنگل طے نہیں ہوسکتا، دوسرے یہ کہ ناقص شیخ نفسی قوتوں سے ناآشنائی کی وجہ سے طالبوں کے مزاج میں غلط نقوش مستحکم کرنے کا ذریعہ بن جاتا ہے، اس طرح ناقص شیخ، طالبوں کے لئے زندگی بھر صحیح خطوط پر لانے کی راہ میں حجاب بن جاتا ہے۔ یہ سوال بھی اہم ہے کہ ناقص شیخ سے کسی حد تک کیفیات کی بہتری کی صورت کیسے اور کیونکر پیدا ہوتی ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ راہ سلوک میں چند سال تک چلتے رہنے کے نتیجہ میں طالب میں کچھ نہ کچھ روحانی استعداد تو پیدا ہوہی جاتی ہے، جس طرح درس نظامی پڑھنے والا متوسط سطح کا طالب ابتدائی سطح کے طلبہ کو کتابیں پڑھانے کی صلاحیت کا حامل ہوجاتا ہے، اسی طرح ناقص شیخ، ابتدائی مجاہدوں کے نتیجہ میں مبتدی طلبہ میں کیفیات منتقل کرنے اور ان کی کچھ نہ کچھ تربیت کرنے کے قابل ہوتا ہے، لیکن نفسی قوتوں کے زیر اثر سلوک طے کئے بغیر بزرگی کے مقام پر فائز ہونے کی وجہ سے وہ ناقص وناتکمل ہے، اس کی صحبت حقیقی طالبوں کے لئے سم قاتل ہے۔ مرتب)

جسمانی اور روحانی رنج ولذتوں
کا ایک دوسرے سے مختلف ہونا

دنیاوی لذت ورنج کی دو قسمیں ہیں: (١) جسمانی اور (٢) روحانی۔ جس چیز سے جسم کو لذت حاصل ہوتی ہے، روح کو اس سے تکلیف ہوتی ہے اور جس چیز سے جسم کو درد ہوتا ہے، روح کو اس سے لذت ملتی ہے۔ پس روح وجسم ایک دوسرے کی ضد واقع ہوئے ہیں، لیکن مادی دنیا میں روح نے جسم کی قائم مقامی کر لی ہے اور وہ جسم وجسمانیات میں گرفتار ہوگئی ہے۔ نیز حکم جسم پیدا کرکے، وہ جسم کی لذت سے لذت یاب اور جسم کی تکلیف سے تکلیف محسوس کرتی ہے۔ یہ عوام کالانعام (چوپائے جیسے عوام) کی حالت ہے آیۃ: ثُمَّ رَدَدْنَاهُ أَسْفَلَ سَافِلِينَ. (یعنی جب انسان کافر ہوا تو ہم نے اس کو پست تر اشیاء سے بھی زیادہ پست ترکردیا)۔ ایسے ہی لوگوں کے بارے میں صادق ہے۔ افسوس صدافسوس، اگر روح مادی جسم اور اس کی لذتوں کی گرفتاری سے خلاصی نہ پائے اور اپنے اصلی وطن کی طرف رجوع نہ کرے تو یہ روح کی بیماری ہے کہ وہ اپنے (حقیقی) رنج کو لذت سمجھتی ہے اور (حقیقی) لذت کو رنج تصور کرتی ہے۔ بالکل غلبۂ صفرا کے مریض کی طرح ہے کہ اسے میٹھی چیز کڑوی محسوس ہوتی ہے پس عقلمندی کا تقاضا ہے کہ اس مرض کو دور کیا جائے تاکہ فرد جسمانی تکالیف ومصائب کی موجودگی میں خوشی کی زندگی بسر کرسکے۔ (مکتوب ٦٤ دفتر اول بنام شیخ فرید بخاری)

تشریح

نفس کی یرغمالی کی وجہ سے روح مجبور محض ہوجاتی ہے۔ اگرچہ اس میں الست بربکم کی صدا موجود ہوتی ہے، لیکن نفس کی طرف سے مادی حسن پر فدائیت اور نفس پرستی کے بتوں کی پرستش کی وجہ سے ایک تو روح کی الست بربکم کی صدا نحیف ہوجاتی ہے، دوسرے یہ کہ نفس کی ان شرارتوں کی وجہ سے روح، حالت اذیت میں رہتی ہے، یہی اذیت روح، دل ودماغ کی طرف منتقل کرتی ہے، جس سے ساری نفسی ونفسیاتی خرابیاں پیدا ہوجاتی ہیں۔ مرتب)

نیت میں اخلاص کی کمی کا،
دل شکستگی کی حالت سے پُر ہوجانا

اچھی طرح غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر دنیا میں دردو رنج اور مصیبت کا وجود نہ ہوتا تو پھر تو دنیا کی قیمت ایک جَو کے برابر بھی نہ تھی۔ اس دنیا کی ظلمتوں اور تاریکیوں کو یہاں کی مصیبتیں اور حادثے زائل کرتے ہیں۔ حادثوں کی تلخی، کڑوی مگر فائدہ مند دوا کی طرح ہے، جو مرض کو دور کردیتی ہے۔ اس فقیر کو بعض عام دعوتوں میں محسوس ہوا ہے کہ کھانا پکایا گیا اور دعوت کرنے والوں کی نیت خالص نہیں تھی۔ کچھ لوگ کھانا کھانے والوں میں سے شکوہ وشکایت کا دفتر کھول کر کھانے میں عیب نکالنے اور کھلانے والوں کی مذمت کرنے لگتے ہیں، صاحب طعام جب یہ سنتا ہے تو اس کے دل میں شکستگی پیدا ہوتی ہے اور اس کی دل کی یہی رنجیدگی اس ظلمت کا ازالہ کردیتی ہے، جو خلوص نیت نہ ہونے کی وجہ سے کھانے میں پیدا ہوگئی تھی اور اس طرح اللہ تعالٰی کے نزدیک وہ دعوت قبول ہوجاتی ہے۔ اگر شکایت کرنے والے شکایت نہ کرتے اور صاحب دعوت کا دل نہ ٹوٹتا تو کھانا (عدم خلوص کی بناء پر) سراسر ظلمت وکدورت سے بھرا ہوا تھا، ظلمت کی صورت میں قبولیت کی کیا گنجائش ہوتی، پس کام کا انحصار دل کی شکستگی اور طبیعت کی رنجیدگی پر ہے اور ہم جویانِ عیش وتنعم والوں کے لیے یہ شکستگی، مشکل کام ہے۔ (ایضا)

تشریح

اعمال میں اخلاص کی کمی کی وجہ سے جو تنقید ہوتی ہے، وہ تنقید بھی اخلاص کی کمی کے ازالہ کا ذریعہ بنتی ہے، اس کے ساتھ ساتھ اعمال میں ریا وخود نمائی وغیرہ کی وجہ سے قلب میں محبوب کی طرف سے حجابات پیدا ہوجاتے ہیں،جس سے طالب، وقتی طور پر اپنی ساری قلبی کیفیات کو سلب ہوتا ہوا محسوس کرتا ہے۔

یہ حجابات بھی اخلاص میں کمی کی ایک نوعیت کی سزا ہوتی ہے، فرد جب آہ وزاری کرتا ہے تو حجابات اٹھا دیئے جاتے ہیں۔ اسی طرح بندہ مؤمن کو زندگی بھر پیش آنے والی تکالیف ومصائب اور نقصانات بھی ان کے گناہوں کے کفارہ کا ذریعہ ثابت ہوتے ہیں۔ اگر یہ نکتہ پیش نظر رہے تو یاس کی گنجائش ہی باقی نہیں رہتی۔ مرتب)

پیدائش کا مقصد
ذکر وفکر کے مجاہدوں سے عبدیت کی راہ اختیار کرنا

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ۔ (ہم نے جن وانس کو عبادت کے لیے پیدا کیا ہے) نص قطعی ہے (اب دیکھنا یہ ہے کہ عبادت کے کیا معنٰی ہیں؟) عبادت سے مراد (اللہ کے آگے) ذلیل اور شکستہ ہونا ہے، حاصل کلام یہ ہے کہ انسان کی پیدائش کا مقصد اس کی خواری وذلت ہے (خالقِ اکبر کے سامنے) مسلمانوں اور دینداروں کا اس دنیا میں جو، ان کا جیل خانہ ہے، عیش وعشرت کے پیچھے پڑنا عقل سے بعید تر بات ہے۔ فرد کو مجاہدوں کے بغیر کوئی چارہ کارنہیں ہے، اور بار برداری کی ورزش کیے بغیر گذر نہیں۔

حضرت حق تعالٰی ہم بے طاقتوں کو اس امر پر استقامت نصیب فرمائے۔
(بنام شیخ فرید بخاری مکتوب ۶۴ دفتر اول)

تشریح

موجودہ دور میں جدیدیت کی ہمہ گیر فکری لہروں سے متاثر ہوکر، عبادت اور دین کا مقصود ہی بدل کر رہ گیا ہے،عبادت کے ذریعہ عبدیت کے رنگ کو مستحکم کرنے کی بجائے حکومت الاہیہ قائم کرنے کی جدوجہد کو اصل عبادت اور دین کا اصل قرار دیا گیا ہے۔ بعض شخصیتوں نے سرمایہ دار یت کے خاتمہ معاشی مساوات کے نظام کو قائم کرنے کی جدوجہد کو اصل عبادت اور دین کے اصل نصب العین کی حیثیت سے پیش کیا ہے۔ اس طرح اسلام کی جدیدیت سے ہمہ آہنگ ایڈیشن تیار ہوگئی ہے۔ اس طرح کے تصور اسلام سے دین کی سیاسی خدمت کا کام تو ہوسکتا ہے، لیکن اللہ کی عبدیت کی رنگ میں رنگے ہوئے پاکیزہ کردار کے حامل افراد پیدا نہیں ہو سکتے۔ عبدیت کا یہ مقصود، اللہ کی عبادت واطاعت میں محویت کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتا۔ اسلامیت کی جدیدیت پر مشتمل تشریح کا ایک نقصان یہ ہوا ہے کہ علمائے حق کے دینی فہم پر اعتماد مجروح ہوا ہے اور ان سے بغاوت کی فضا پیدا ہوئی ہے اور غلبہ اسلام کی

راہ میں حائل قوتوں کے خلاف جہاد کے نام پر اسلحہ اٹھا کر ان سے مقابلہ کی راہ ہموار ہوئی ہے۔

یہ بڑا نقصان ہے، جو اسلام کی جدیدیت کی آمیزش والی فکر کی وجہ سے ہوا ہے۔ مرتب)

نجات کا
صورتِ اسلام سے نہیں، بلکہ یقین سے ہونا

یاد رکھو، اسلام کی محض صورت اختیار کرنے سے نجات نہیں ملے گی، بلکہ یقین پیدا کرنا چاہئے۔ (اس سے نجات وابستہ ہے) یقین کی حالت کہاں ہے؟ بلکہ عام طور پر جو حالت ہے، اس میں یقین تو کیا وہم بھی نہیں ہے، ورنہ عقلی طور پر تو خطروں کے وقت وہم کا بھی اعتبار کر لیتے ہیں۔ اس قسم کی ایک اور بات سنو، حق تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے: وَاللّٰهُ بَصِيْرٌ بِمَا يَعْمَلُوْنَ. (اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو دیکھنے والا ہے) اس ارشاد کے باوجود بُرے اعمال کی روش اختیار کی جارہی ہے، اگر کسی حقیر سے حقیر فرد کے بارے میں بھی یہ گمان ہوتا ہے کہ وہ فرد کے بُرے اعمال کو دیکھ رہا ہے تو اس کے سامنے بُرے کام نہیں کئے جاتے۔ اس بات سے تو یہ سمجھا جائے گا کہ (ناعاقبت اندیش لوگ) خبرحق کا یقین واعتبار نہیں کرتے۔ اب بتاؤ کہ اس قسم کا کردار ایمان ہے یا کفر۔؟ (مکتوب ۳۷ دفتر اول بنام قلیج اللہ)

تشریح

اگرچہ اس دور میں اسلام کی ظاہری تعلیمات پر عمل پیرا ہونا، بجائے خود بہت بڑی سعادت کی بات ہے، تاہم شریعت کی ظاہری تعلیمات پر عمل پیرا ہونے میں استقامت، یقین سے ہی حاصل ہوسکتی ہے۔ یقین کی یہ دولت نفس پرستی کی قوتوں کے خلاف طویل معرکہ آرائی کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتی۔ یہ وہ نکتہ ہے، جسے سارے علمائے ربانی پیش کرتے رہتے ہیں، یقین کی حالت مستحکم کرنے کے لئے باطن میں

موجود نفس پرستی کی قوتیں جو خود الٰہ کی صورت اختیار کرجاتی ہیں، ان کی بنیاد کو اکھاڑنا ضروری ہے۔ اس بنیاد کو منہدم کئے بغیر یقین کی حالت مستحکم ہو، دشوارتر ہے، اس کے لئے ذکروفکر، خود احتسابی اور علمائے ربانی کی صحبت کی ضرورت ہے۔ مرتب)

تقویٰ کی حقیقت
اور اس پر گامزن ہونے کی صورت

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا. (رسول جس چیز کو دیں اس کو لے لو اور جس سے منع کریں اس سے باز رہو) اس آیت کے پیش نظر) نجات کا مدار دو باتوں پر ہوا: (۱) احکام کی بجا آوری۔ (۲) گناہوں سے باز رہنا اور ان دونوں جزوں میں دوسرا جزو زیادہ اہم ہے کہ تقویٰ اسی کا نام ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ: آنحضرت ﷺ کے سامنے ایک شخص کی عبادت وریاضت کا ذکر کیا گیا اور دوسرے شخص کے تقویٰ کا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ: تقویٰ کے برابر کوئی چیز نہیں۔ آنحضرت ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ: تمہارے دین کا انحصار تقویٰ اور پرہیزگاری پر ہے۔ فرشتوں پر جو انسان کو فضیلت حاصل ہے، وہ تقویٰ کی بناء پر ہے اور قرب کے مدارج تقویٰ ہی سے حاصل ہوتے ہیں، اس لیے کہ ملائکہ پہلے جزو میں شریک ہیں، لیکن ان میں ترقی مفقود ہے، پس تقویٰ کو پیش نظر رکھنا، اسلام کے اعلیٰ ترین مقاصد میں سے ہے اور تقویٰ کا مدار حرام باتوں سے بچنے پر ہے، اور تقویٰ کا اہتمام پوری طرح اسی وقت ہوسکتا ہے، جب فضول چیزوں سے پرہیز کیا جائے اور جائز حدود میں رہا جائے، اس لیے کہ مباحات میں جانے سے فرد مشتبہ تک پہنچ جائے گا جو، حرام کے قریب ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے: من حام حول الحمی یوشک ان یقع فیه (جس نے اپنے جانوروں کو شاہی سبزہ زار کے آس پاس چرایا، قریب ہے کہ اس کے جانور شاہی چراگاہ میں داخل ہوجائیں)۔ پس کمال تقویٰ کے حصول کے لیے جائز امور ضرورت پر اکتفاء کرنی چاہئے، اور وہ

بھی بندگی کی ادائیگی کی نیت سے ہو ورنہ (بغیر نیت کے) وہ بھی وبال ہے اور تھوڑا سا مباح بھی حکم کثیر رکھتا ہے۔ اور چونکہ فضول چیزوں سے پورے طور پر بچنا خاص طور پر اس زمانہ میں بہت کم ہے، اس لئے محرمات سے اجتناب کر کے حتی الامکان فضول ِمباحات میں داخل ہونے سے بچا جائے اور فضول ِ مباحات کے (کبھی کبھار) ارتکاب کے بعد ہمیشہ توبہ واستغفار اور التجا ہونا چاہئے، ممکن ہے اس سے بھی وہی نتیجہ پیدا ہوجائے، جو فضول مباحات سے کلیۃً پرہیز سے ہوتا ہے، ایک درویش کا قول ہے کہ مجھے گناہگاروں کا انکسار، عبادت گذاروں کی جدوجہد سے زیادہ عزیز ہے۔ محرمات سے بچنا دو قسم کا ہے: ایک قسم حقوق اللہ سے تعلق رکھتی ہے، دوسری قسم بندوں کے حقوق سے۔ دوسری قسم محرمات کی رعایت بہت ضروری ہے، اللہ تعالٰی تو غنی مطلق اور ارحم الراحمین ہے اور بندے فقراء محتاج ہیں اور بالذات بخیل ولئیم۔ (اس لئے ان کے حقوق کی ادائیگی ضرور ہونا چاہئے)۔ (ایضا)

تشریح

تقویٰ کی حقیقت وہ خشکہ واُلقا ہے، جو فرد کے دل اور ذہن پر ہمہ وقت موجود رہتا ہے کہ اللہ مجھے دیکھ رہا ہے، مجھے اپنے ہر عمل کی اللہ کے سامنے جواب دہی کرنی پڑے گی۔ جب یہ خشکہ غالب ہوجاتا ہے تو اس کے نتیجہ میں ہر منکر سے بچنے اور ہر نیکی پر عمل کرنے کے بارے میں فرد کی حساسیت میں غیر معمولی اضافہ ہوجاتا ہے۔ یہی تقویٰ دین کی روح ہے، اس تقویٰ کے نتیجہ میں جو نعمتیں حاصل ہوتی ہیں، وہ بے شمار ہیں۔ قرآن میں دسیوں مقامات پر تقویٰ کے نتیجہ میں حاصل ہونے والی نعمتوں کا ذکر ہے وَمَن يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَل لَّهُ مِنْ أَمْرِهِ يُسْرًا. جو تقویٰ اختیار کرتا ہے ہم اس کے کاموں میں آسانی پیدا کردیتے ہیں۔ لیکن تقویٰ کے اس مقام تک رسائی ذکروفکر کے مجاہدوں میں ساری توانائیاں صرف کرنے کے بعد ہی حاصل ہوسکتی ہے۔ مرتب)

بندوں کے حقوق کی عدم ادائیگی اور آخرت کا افلاس

آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے: جس کسی پر اپنے بھائی کا کسی قسم کا کوئی حق ہو، اس کو چاہئے کہ دنیا ہی میں معاف کرا لے، اس دن کے آنے سے پہلے کہ اس کے پاس کوئی دینار ہوگا نہ، درہم، اگر اس کے پاس کوئی نیک عمل ہوگا تو اس حق کے مطابق اس سے وہ عمل لیا جائے گا، اور اس کے پاس نیکیاں نہ ہوں گی تو حقدار کے گناہ لے کر، اس پر لاد دیے جائیں گے۔ آپؐ نے ایک بار صحابہؓ سے فرمایا کہ: جانتے ہو مفلس کون ہے؟ صحابہؓ نے عرض کیا: ہم میں مفلس وہ ہے، جس کے پاس نہ درہم ہوں، نہ مال ومتاع!۔ فرمایا: نہیں! میری امت کا مفلس وہ ہے، جو قیامت کے دن نماز، روزہ، زکوٰۃ (سب نیک اعمال) لے کر آیا، لیکن اس حال میں کہ کسی کو گالی دی تھی، کسی پر تہمت دھری تھی، کسی کا مال غصب کر لیا تھا، کسی کا خون بہادیا تھا، کسی کو زدوکوب کیا تھا۔ پس اس کی ساری نیکیاں ان کو دی جائیں گی اور جب نیکیاں ختم ہوجائیں گی تو ان لوگوں کے گناہ لے کر اس پر ڈال دیئے جائیں گے، پھر اس کو جہنم میں جھونک دیا جائے گا۔ (ایضا)

تشریح

افلاس کی یہ سب سے بُری شکل ہے۔ یہ بیٹھے بٹھائے اپنے اعمال صالح کا اجر دوسروں کے حوالے کرنا ہے اور ان کے گناہوں کو اپنے ذمہ لینا ہے، مگر، غیبت دوسروں کی تحقیر وتہمت، یہ ساری چیزیں ایسی ہیں، جو ظالم نفس کے لئے لذت کا باعث ہیں۔ اس لئے ان چیزوں سے اس کا سیر ہی نہیں ہوتا۔ اللہ کی محبت کی دنیا میں چلنے سے ایک بڑا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ فرد کے پاس دوسروں کے قصوں میں پڑنے کے لئے وقت نہیں ہوتا، پھر اللہ کی محبت فرد کو دوسروں کے بارے میں شدید حساس بھی بنالیتی ہے کہ ہماری ذات سے انہیں اذیت نہیں پہنچنی چاہئے، بدقسمتی سے آج کے دور میں اہل تصوف میں بھی ذکروفکر کے مجاہدوں کی غیر معمولی کمی کی وجہ

سے گلہ وغیبت کا سماں ہوگیا ہے، سبب یہ ہے کہ ذکر کے نور سے نفس پامال نہیں ہوا۔ مرتب)

صوفیائے کرام کی حالت سکر کی باتوں کا
میری رگ فاروقیت کے جوش کا سبب بن جانا

آپ نے لکھا تھا کہ شیخ عبدالکریم یمنی نے کہا ہے کہ: ''حق تعالیٰ عالم الغیب نہیں ہے۔''

مخدوما! فقیر کو اس قسم کی باتیں سُننے کی بالکل طاقت نہیں (ایسی باتوں سے) میری رگِ فاروقیت بے اختیار جوش میں آجاتی ہے اور تاویل و توجیہ کا موقع نہیں دیتی۔ اس طرح کی باتیں شیخ کبیر یمنیؒ کی ہوں یا شیخ اکبر شامیؒ کی۔ ہمیں تو کلامِ محمد عربی ﷺ درکار ہے، نہ کہ محی الدین عربیؒ، صدر الدین قونویؒ، اور عبدالرزاق کاشیؒ کا کلام۔ ہم کو نص (قرآن وحدیث) چاہئے، نہ کہ فص (فصوص الحکم کا کوئی باب)۔ فتوحات مدینہ (احادیث نبویہؐ) نے ہم کو ''فتوحاتِ مکیہ'' (تصنیف شیخ اکبرؒ) سے بے نیاز کر دیا ہے۔ حق تعالیٰ نے خود اپنے کو علمِ غیب کے ساتھ موصوف کیا ہے اور خود کو عالم الغیب فرمایا ہے، لہٰذا اس سے علم غیب کی نفی کرنا، بہت ہی قبیح بات ہے یہ حقیقت میں حق تعالیٰ کی (ایک طرح) تکذیب ہے، غیب کے کچھ اور معنیٰ بیان کرنے سے بھی اس قول کی قباحت دور نہیں ہوسکتی۔

منصور نے اگر انا الحق کہا، یا حضرت بایزید بسطامیؒ نے سبحانی کہا، تو وہ اپنے قول میں غلبۂ حال کی بنا پر معذور ومغلوب ہیں، لیکن وہ بات جو تم نے دریافت کی ہے وہ ''احوال'' سے نہیں ہے، اس کا تعلق علم سے ہے، اس قول میں کوئی عذر معتبر نہیں، اور یہاں کوئی تاویل قبول نہیں۔ حالت سکر والوں کے کلام کی تاویل کی جاتی ہے اور اس کو ظاہر سے پھیرا جاتا ہے، نہ کسی اور کے کلام کو، اگر اس کلام سے کلام والے کا مقصود یہ ہے کہ خلق میں اسے ملامت حاصل ہو اور لوگ اس سے متنفر

ہوں، تو یہ بات بھی بُری ہے، خلق کی ملامت حاصل کرنے کے لیے تو اور بہت سے راستے ہیں۔ یہ کیا ضرور ہے کہ کوئی اپنے آپ کو سرحد کفر تک پہونچائے۔ (اور پھر ملامت مول لے)۔ (مکتوب ۱۰۰ دفتر اول بنام ملاحسن کشمیری)

تشریح

حالت سکر وحالت استغراق میں صوفی مجبور محض ہوتا ہے۔ اس حالت میں ان کا قول اور ان کا عمل قابل معافی ہوتا ہے۔ حضرت مجدد جس مقام پر فائز ہیں۔ اس مقام کی حامل شخصیت کے لئے شریعت کے تقدس کو قائم رکھنے کے لئے اس طرح کے کلمات کہنے والوں کا محاسبہ کرنا، ان کے شایان شان ہے، جب کہ ہمارے لئے خاموشی ہی بہتر ہے۔ مرتب)

اہل باطل کی ریاضتوں کا، خاکروب کی ریاضتوں کی طرح ہونا

اہل باطل نے بہت سی ریاضتیں اور مجاہدے کئے ہیں، لیکن چونکہ وہ سنت کے مطابق نہیں ہیں، اس لیے وہ بے وقعت ہیں۔ اگر انہیں ان شدید ریاضتوں کا اجر مرتب بھی ہوتا ہے تو وہ زیادہ سے زیادہ دنیا کا کچھ نفع ہوتا ہے۔ کل دنیا ہی کون سی حیثیت رکھتی ہے کہ اس کے تھوڑے سے منافع کو اہم سمجھا جائے۔ ان لوگوں کی مثال خاکروب کی سی ہے کہ اس کی محنت سب سے زیادہ ہوتی ہے اور اجرت سب سے کم۔ شریعت کے تابع مجاہدے کرنے والوں کی مثال ایسی ہے، جیسا کہ الماس کے ذریعہ نفیس جوہروں میں کاریگری کرنے والے، کہ ان کا کام کم اور اجرت بہت زیادہ ہوتی ہے۔ سنت کے مطابق ایک ساعت کا عمل، ہوسکتا ہے کہ اجر میں ایک لاکھ برس کے نیک عمل کے برابر ہو، اس کی وجہ یہ ہے کہ جو عمل شریعت کے موافق ہوتا ہے وہ حق تعالیٰ کو عزیز ہوتا ہے، جب کہ خلافِ شریعت عمل، ناپسندیدۂ حق ہے۔ پس غیر پسندگی کی صورت میں ثواب کی کیا امید ہوسکتی ہے، بلکہ سزا کا ڈر ہوتا ہے۔ اس حقیقت کی عالمِ مجاز میں بھی نظیر موجود ہے، تھوڑی سی توجہ سے بات بخوبی

سمجھ میں آجاتی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ ساری سعادتوں کا سرمایہ، سنت کا اتباع ہے، اور سارے فسادات کا سبب سنت وشریعت کی مخالفت ہے اللہ تعالیٰ ہمیں اورتمہیں متابعتِ سید المرسلین ﷺ پر ثابت قدم رکھے۔ (مکتوب ۱۱۴ دفتر اول، بنام صوفی قربان)۔

تشریح

اللہ ورسول پر ایمان اور شریعت کے بغیرنفس کے خلاف سارے مجاہدے بے معنیٰ ولاحاصل ہیں۔ دنیا میں ان مجاہدوں سے کچھ نہ کچھ فائدے ہوتے ہیں، لیکن عنداللہ ان کی قبولیت کی گنجائش موجودنہیں۔ موجودہ دور میں جہاں دنیا سمٹ کر ایک شہر کی صورت اختیار کر چکی ہے اور میڈیا کے ذریعہ مادہ پرست افراد اور غیرمسلموں کے مراقبہ جات کی تشہیر ہوئی ہے تو اس کے زیر اثر بعض ذہین مسلمان نوجوان بھی ایمان وعقائد اور شریعت کے بغیر ان مراقبہ جات کو اہمیت دینے لگے ہیں، جب کہ غیرمسلموں کے سارے مجاہدے لاحاصل ہیں، اصل چیز ایمان اور شریعت ہے، اس کے بعد احسان ہے یعنی ذکر وفکر کے مجاہدوں کی حیثیت ایمان وشریعت کے بعد ہے ۔ لیکن اہل باطل کے مجاہدوں کو ذکر وفکر بھی نہیں کہا جا سکتا، وہ تو قوت ارتکاز کی مشقیں ہوتی ہیں یا اپنے مذہب کے مسخ شدہ ذکر کے طریقے، جو اسلامی نقطہ نگاہ سے لاحاصل ہیں، بلکہ یہ مسخ شدہ طریقے اس اعتبار سے زیادہ نقصاندہ ہیں کہ وہ افراد کو اسلامی عقائد اور شریعت سے دور لے جانے کا ذریعہ ہیں۔ مرتب)

اپنے حالات کی تفتیش کا ناگزیر ہونا

حدیث میں آیا ہے کہ بندے کی اللہ سے روگردانی کی علامت، بندے کا لایعنی کاموں میں مشغول ہونا ہے۔ کسی نفل میں اس طرح مشغول ہونا کہ اس سے کسی فرض سے روگردانی ہوتی ہو، غیرضروری کاموں میں داخل ہے۔ لہٰذا انسان پر

اپنے حالات کی تفتیش لازم ہے، تاکہ معلوم ہوکہ وہ کس چیز میں مصروف ہے، نفل میں یا فرض میں، ایک نفلی حج کے لیے کئی ممنوع چیزوں کا مرتکب ہونا، کیا درست ہوگا؟ اچھی طرح غور کریں، صاحبِ عقل کے لئے اشارہ کافی ہوتا ہے۔ (مکتوب ۱۲۳ دفتر اول، بنام مولانا طاہر بدخشی)

تشریح

تہذیب نفس اور تزکیہ نفس کا کام ایسا ہے، جس سے دین کے سارے کاموں کی سلامتی وابستہ ہے۔ اس کام سے بے نیاز ہوکر، دین کے دوسرے جزوی کاموں میں توانائیاں صرف کرنا، یہ خسارہ کا سودا ہے۔ جب تزکیہ کے ذریعہ نفس کی دورنگی اور بہیمت میں تبدیلی ہی واقع نہ ہو اور حب جاہ وحب مال اور حرص وہوس جیسے جذبات کی تہذیب ہی نہ ہوئی ہو تو اس صورت میں چھوٹے چھوٹے دینی کاموں میں توانائیوں کا استعمال غیرضروری کاموں میں ہی شمار ہوگا۔ سب سے اہم کام نفس کی حالت کا تبدیل ہونا اور اسے مہذب بنانا ہے، اس کے بعد سارے دینی کاموں کو ان شاء اللہ قبولیت کا شرف حاصل ہوگا اور ان کاموں میں برکت بھی پیدا ہوگی۔ مرتب)

راہ سلوک میں درمیانی راہ کو اصل منزل سمجھنا

راہِ سلوک، انتہائی طویل راہ ہے۔ نیز مقصود، انتہائی بلندی پر ہے، اور ہمتیں انتہا درجے کی کوتاہ ہیں۔ (اس راہِ میں) جو درمیانی منزلیں آتی ہیں، وہ سراب کی مانند ہوتی ہیں، اللہ حفاظت فرمائے، طالب، درمیانی حالت کو انتہا سمجھکر غیرمقصود کو مقصود سمجھ بیٹھتا ہے، اور ''چوں'' کو ''بیچوں'' تصور کرتا ہے، اس طرح وہ مطلب حقیقی تک پہونچنے سے رہ جاتا ہے۔ ہمت کو بلند رکھنا چاہئے۔ حاصل شدہ کسی چیز پر قناعت نہ کرکے (قرب خدا کی) اس سے بہت آگے تلاش کرنا چاہئے۔ اس قسم کی ہمت کا حاصل ہونا شیخ کی توجہ سے وابستہ ہے اور اس کی توجہ مرید ومقتدی کی محبت

اور اخلاص کے مطابق ہوتی ہے۔

تشریح

راہ سلوک میں نفسی قوتوں کو مضمحل کرکے، انہیں اللہ ورسول کے تابع بنانا اصل مقصود ہوتا ہے اور نفسی قوتوں کو مضمحل کرنا، ہمالیہ پہاڑ طے کرنے کے مترادف ہے۔ اس راہ میں مستقل مزاجی سے ایک عرصہ تک چلنا پڑتا ہے۔ ایک عارف کے بقول اس راہ میں نفس پرستی کی ہزارہا ندیاں طے کرنی پڑتی ہیں۔ راہ سلوک کے اس سفر سے دین ودنیا کی جملہ سعادتیں وابستہ ہیں۔ اس سفر میں شیخ کی صحبت کو بنیادی عمل دخل حاصل ہے، اس کی صحبت سے راہ محبت میں چلنے کا ذوق شوق پیدا ہوتا ہے اور استقامت سے چلتے رہنے کی سعادت حاصل ہوتی ہے۔ مرتب)

فقراء کے دروازے کی خاکروبی اختیار کرنا، مالداروں کے یہاں کی صدر نشینی سے بہتر ہونا

اے بوالہوس (انسان) تیرا معاملہ دو حالتوں سے خالی نہیں ہے۔ دولتمندوں کی مجلس میں دل سے شریک ہوں یا بے دلی سے، اگر یہ دل سے شریک ہوں تو یہ بُرا ہے اگر بے دلی سے ہوں تو یہ اس سے بُرا ہے، اگر مالداروں سے محبت کا تعلق ہو تو فتنہ ہے اگر ان سے بغیر محبت کا تعلق ہو تو الدنیا والآخرۃ کا مصداق ہے۔ (سنو) فقراء کے دروازہ کی خاکروبی، یہاں کے مالداروں کی صدر نشینی سے بہتر ہے۔ آج یہ بات تمہاری سمجھ میں آئے یا نہ آئے۔ لیکن بالآخر سمجھ میں آجائے گی اور اس وقت تمہیں کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ تمہیں عمدہ کھانوں کی آرزو اور فاخرانہ لباس کی تمنا نے اس مصیبت میں گرفتار کیا ہے (یعنی مالداورں سے تعلقات کی راہ پر گامزن کیا ہے) اصلی کام کی فکر کرو اور جو چیز حق تعالیٰ (کے قرب) سے روکے، اس کو دشمن سمجھ کر اس سے بھاگو اور پرہیز اختیار کرو۔ إِنَّ مِنْ أَزْوَاجِكُمْ وَأَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوهُمْ ۔ (راہِ

خدا سے روکنے والی) تمہاری بیویاں اور تمہاری اولاد تمہارے دشمن ہیں ان سے پرہیز کرو) یہ قرآنی فیصلہ ہے، مجھے صحبت کے حقوق نے اس بات پر آمادہ کیا ہے کہ ایک مرتبہ تمہیں نصیحت کی جائے، اب اس پر عمل کرو یا نہ کرو۔ (تمہیں اختیار ہے)۔ (مکتوب ۱۳۲ دفتر اول بنام مولانا محمد صدیق بدخشی)

تشریح

فقراء کی صحبت کی اہمیت اس لئے ہے کہ ان کی صحبت سے مال ومالداروں سے استغنا اور اللہ کی محبت اور اس کی عبدیت کی زندگی اور اس کا سلیقہ وسعادت حاصل ہوتی ہے، فقراء کا دل محبوب حقیقی کی محبت سے سرشار ہوتا ہے، ان کی مسلسل صحبت سے عشق ومحبت کا رنگ منتقل ہوکر مستحکم ہونے لگتا ہے، پھر فرد کی حالت یہ ہوتی ہے کہ محبوب حقیقی کے علاوہ اس کی دوسری کوئی چاہت ہی نہیں ہوتی، اس طرح فقراء کی صحبت، فردوافراد کے لئے دنیا بھر کے مصائب اور پریشانیوں سے نجات کا ذریعہ بن جاتی ہے، اس لئے کہ فقراء کی صحبت کی برکت سے محبوب حقیقی اس کے لئے بہترین سہارا بن جاتا ہے اور اسے دنیا واہل دنیا کے سامنے بھٹکتے پھرنے سے بچالیتا ہے۔ مرتب)

اہل دنیا کی صحبت کا سمِ قاتل ہونا

فرزند ارشد! اس مبغوضہ دنیا سے خوش نہ ہوں، اور اللہ کے ساتھ تعلق دوامِ توجہ کے سرمایہ کو ہاتھ سے نہ جانے دیں۔ (فرد کو) اس بات کا لحاظ رکھنا چاہئے کہ وہ کیا چیز فروخت کررہا ہے اور کیا خرید رہا ہے۔ آخرت کو دنیا کا بدلہ قرار دینا اور حق تعالیٰ سے روگردانی اظہار کرکے مخلوق میں پھنس جانا، یہ سب سے بڑی بیوقوفی ہے۔ دنیا اور آخرت کا جمع کرنا، ایک دوسرے کے متضاد ہے ...... ان دونوں چیزوں میں سے کسی ایک ہی کو اختیار کرلو ...... (مگر خوب سمجھ کہ) آخرت کا عذاب ابدی ہے، جب کہ سامان دنیا قلیل ہے۔ دنیا اللہ کی غضب کی چیز ہے، اور آخرت اس کی

پسندیدہ ہے۔

عشق ماشئت فانک میت   والزم ماشئت فانک مفارقہ

(زندہ رہ جتنا چاہے، تجھے موت ضرور آنی ہے۔ جس چیز کو جی چاہے، اس کو اختیار کرلے، تجھے اس چیز سے جدائی اختیار کرنی ہے)۔

بیوی وفرزند کی فکر کو چھوڑ کر، ان کی تدبیر وکارسازی کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنا چاہئے، خود کو مردہ تصور کرنا اور اپنے سارے کاموں کو اللہ کے حوالے کرنا چاہئے۔ اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ۔ نص قاطع ہے۔ اس کو کئی مرتبہ سنا ہوگا۔ خواب خرگوش کب تک؟ ہوش میں آنا ضروری ہے۔ اہل دنیا کی صحبت اور ان سے میل ملاپ سم قاتل ہے۔ اس سم قاتل کا مارا ہوا ابدی موت میں گرفتار رہے گا ...... امیروں کے دسترخوان کا لقمۂ چرب، قلبی مرض میں اضافہ کا باعث ہے الحذر، الحذر، الحذر!۔

من انچہ شرط بلاغ است باتو می گویم   تو خواہ از سخنم پند گیر خواہ ملال

(مکتوب ۱۳۸ دفتر اول بنام شیخ بہاؤ الدین سرہندی)

تشریح

مالداروں کی صحبت مبتدی ومتوسط صوفی کو تو متاثر کرتی ہی ہے، منتہی صوفی بھی مالداروں کی صحبت سے مکدر اور متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتے، اس لئے کہ فرد کا نفس مہذب ہونے کے باوجود بشری تقاضوں کا حامل ہوتا ہے، مالداروں کی صحبت کے نتیجہ میں یہ بشری تقاضے ابھرنے لگتے ہیں، اگر منتہی صوفی جلد بیدار نہ ہوا تو وہ بزرگی کے روپ میں مالدارانہ زندگی اختیار کرنے کی راہ پر گامزن ہوجائے گا۔ حضرت مجدد جیسے بزرگوں نے اس سلسلہ میں ہمیں متنبہ کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی، لاشعور میں دنیا کی حسرت کے احساسات کی وجہ سے شاید بزرگوں کے یہ انتباہات ہمیں بیدار کرنے میں ناکام ہیں۔ مرتب)

اہل دنیا کی صحبت سے اس طرح بھاگو جس طرح شیر سے بھاگتے ہو

اہل دنیا کی صحبت سے اس سے بھی زیادہ بھاگو، جتنا شیر سے بھاگتے ہو، اس

لیے کہ شیر پھاڑے گا تو زیادہ سے زیادہ دنیاوی موت واقع ہوجائے گی، جو آخرت میں مفید ہے، لیکن مالداروں سے میل ملاپ ابدی ہلاکت اور دائمی خسارہ کا باعث ہے، ان کی صحبت سے بچو، ان کے لقمہ سے پرہیز کرو، ان کی صحبت اور ان کی رویت سے بچو، یہ بات جو اتنے اہتمام سے کہی جارہی ہے، وہ اس لئے کہ میں جانتا ہوں کہ مالداروں کے کھانے اور ان کی صحبت نے آں فرزند کے دل کو وعظ ونصیحت کے سمجھنے سے دور کر دیا ہوگا، اب تمہارا دل صرف ایک یاددہانی سے متاثر نہ ہوگا۔ مکرر الحذر، الحذر امراء کی صحبت سے، اور الحذر الحذر ان کے دیکھنے سے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمہیں اس بات سے محفوظ رکھے، جس سے ہمارا اور تمہارا رب راضی نہ ہو۔ (ایضاً)

تشریح

یہاں اسی بات کو دوسرے پیرایے میں ظاہر فرمایا گیا ہے کہ اہل دنیا کی صحبت سے اس طرح بھاگو، جس طرح شیر سے بھاگتے ہو، اہل دنیا اور مالداروں کی صحبت کے سلسلہ میں بزرگوں کے تجربات ومشاہدات ایسے ہیں کہ جس فرد نے بھی اس کی خلاف ورزی کی، اس نے اس کا نقد نتیجہ دیکھ لیا کہ ایسے افراد دنیاوی آلودگی کا شکار ہوگئے، اللہ ہماری حفاظت فرمائے۔ مرتب)

رنج وغم اور اضطراب کا راہ سلوک کے لوازمات میں شمار ہونا

رنج وغم واضطراب، یہ محبت کی علامتیں ہیں، راہ فقر اختیار کرنے والوں کے لئے درد وغم ناگزیر ہے۔

غرض از عشق توام چاشنی است   ورنہ زیر فلک اسباب تنعم چہ کم است

محبوب حقیقی پراگندگی چاہتا ہے، تاکہ اس کے غیر سے مکمل طور پر آزادی حاصل ہو، راہ عشق کی خصوصیت ہے کہ بے آرامی میں آرام ہو، سوز میں ساز ہو، بے قراری میں قرار ہو اور جراحت میں راحت ہو۔ دوران سلوک آسانی طلب کرنا،

خود کو آزمائش میں ڈالنا ہے۔ طالب کو اپنے آپ کو مکمل طور پر محبوب حقیقی کے سپرد کر دینا چاہئے۔ جو کچھ بھی اس کی طرف سے ہو اور جو حالات بھی درپیش ہوں، انہیں انتہائی رضامندی کے ساتھ قبول کرنا چاہئے، شکوہ شکایات نہ ہونی چاہئے، یہی طریقۂ زندگی ہے۔ (مکتوب ۱۴۰ دفتر اول بنام محمد معصوم کابلی)

تشریح

راہ سلوک میں چلنے کے نتیجہ میں نفسی قوتوں کو پامال کرنے کی خاطر محبوب کی طرف سے باطن پر اس کے جلال کے تیر گرتے رہتے ہیں، جس سے طالب بے چین ہوجاتا ہے، چونکہ نفس کی قوت محبوب کے جلالی عکسوں کے بغیر مضمحل نہیں ہوتی، اس لئے تہذیب نفس کے لئے یہ ناگزیر ہیں۔ جب تک طالب کی قابل ذکر حد تک اصلاح نہیں ہوتی، تب تک طالب کو ان حالات سے گذرنا پڑے گا۔ اس سے فرار ممکن نہیں۔ مرتب)

بزرگوں کی روحانیت سے فریب میں مبتلا ہونا

دو مکتوب پے درپے پہونچے، پہلے مکتوب میں حصول وسیرابی کی اطلاع تھی اور دوسرے مکتوب میں تشنگی وبے حاصلی کی خبر تھی، الحمدللہ، اعتبار خاتمہ اور آخری حالت کا ہے۔ جو شخص اپنے آپ کو سیراب سمجھے، وہ بے حاصل ہے اور جس نے خود کو بے حاصل جانا وہ واصل ہے۔ تم سے بار بار کہا گیا ہے کہ بزرگوں کی روحانیت اور ان کی امداد سے دھوکے میں نہ پڑجانا۔ مشائخ کی صورتیں اصل میں شیخ کے لطائف ہوتے ہیں کہ وہ لطائف ان کی صورتوں میں ظاہر ہوتے ہیں۔ توجہ کے لئے وحدت خیال شرط ہے۔ توجہ کو منتشر کرنا، نقصان کا موجب ہے۔ پناہ بخدا۔ (یعنی ذکر اور محبوب کے انوار حسن کی تجلیات کے علاوہ بزرگوں کی صورتوں کی طرف توجہ مرتکز ہونا، فرد کے لئے خطرہ کا موجب ہے)۔ (مکتوب ۱۴۸ دفتر اول بنام ملا محمد صادق)

تشریح

یہ بڑا اہم نکتہ ہے، جو حضرت مجدد نے بیان فرمایا ہے۔ نفس کے خلاف مجاہدوں سے روح کی لطافت، نفس پر غالب آنے لگتی ہے۔ اس سے بعض سالکوں پر بزرگوں کی ارواح اور ان کی صورتیں آشکار ہونے لگتی ہیں۔ اس سے مبتدی ومتوسط سالکوں کو ایک بڑا نقصان یہ ہوتا ہے کہ ان کی توجہ صورتوں وشکلوں کے مناظر کی طرف منتقل ہوجاتی ہے اور ذکر اور اصلاح نفس کے کام کی بجائے وہ اسی کو مقصود سمجھنے لگتے ہیں۔ دوسرا نقصان یہ ہوتا ہے کہ دعویٰ آنے لگتی ہے اور بزرگوں کی روحوں سے رابطہ کو وہ اپنی بزرگی کے مقاصد کے لئے استعمال کرنے لگتے ہیں اور موقعہ بے موقعہ اپنی ان چیزوں کا اکثر ذکر کرتے رہتے ہیں، اس طرح بزرگوں کے لطائف کی شکلیں ان کے لئے بڑا امتحان ثابت ہوتی ہے، حالانکہ ان بزرگوں کو اکثر خود بھی علم نہیں ہوتا کہ ان کی شکلوں کا کہاں کہاں ظہور ہورہا ہے۔ مرتب)

درویشوں سے بے نیازی کی روش
سرکشی کے علاوہ کچھ بھی نہیں

(درویشوں سے) یہ بے نیازی، سرکشی کے سوا کچھ بھی نہیں۔ حضرت خواجہ نقشبند قدس اللہ سرہ نے فرمایا ہے کہ "اول نیازِ خستہ بعد ازاں توجہ خاطر شکستہ" ...... یعنی پہلے اہل اللہ کے سامنے نیاز مندی کا اظہار ہو، اس کے بعد ان کی طرف سے شکستہ دل کے درست کرنے کی تدبیر ہوگی۔ پس توجہ حاصل کرنے کے لیے طالب کی نیازمندی وعاجزی شرط ہے۔

سعادت آثارا! (اولا) ...... جو کچھ ہم پر اور تم پر لازم ہے، وہ ہے کتاب وسنت کے مطابق عقائد کی صحت، اس طور پر، جس طور پر علمائے اہل حق نے کتاب وسنت سے ان عقائد کو سمجھا اور اخذ کیا ہے۔ اگر عقائد علمائے حق کے فہم کے مطابق نہ ہوں تو ہمارے تمہارے سمجھنے کا کوئی اعتبار نہیں ہے، یوں تو ہر بدعتی اور گمراہ شخص

اپنے احکامِ باطلہ کو کتاب وسنت سے ہی خیال کرتا ہے اور وہیں سے اخذ کرتا ہے، حالانکہ اس کا گمان، حق کی شناخت کے لیے کچھ بھی نافع نہیں۔ (مکتوب ۵۷، دفتر اول بنام حکیم عبدالوھاب)

تشریح

اس مکتوب میں پہلی چیز درویشوں سے بے نیازی کی روش کو سرکشی تصور قرار دیا گیا ہے، جب حب جاہ وحب مال اور دعویٰ کا بت مستحکم ہوتا ہے تو اس کی سب سے بڑی سزا جو ملتی ہے، وہ درویشوں کو کم تر سمجھکر ان کی صحبت کو لایعنی اور وقت کا ضیاع سمجھنے کی صورت میں ہوتا ہے، چونکہ نفس کے بت خانہ کی نوعیت کو **سمجھکر**، اس کی پرستش سے بچاؤ کی صورت عام طور پر علمائے ربانی اور درویشوں کی صحبت سے ہی پیدا ہوتی ہے، اس لئے درویشوں سے دوری کو بڑی سزا سمجھنا چاہئے۔ مکتوب میں دوسری چیز جس پر زور دیا گیا ہے، وہ قرآن وسنت کے اپنے سمجھے ہوئے مفہوم سے دستبردار ہو کر، علمائے اہل حق کے مفہوم کے مطابق اپنے ذہن کی تشکیل کرنا ہے، اس لئے کہ کامل اصلاح نفس کے بغیر عقل، نفس کا یرغمال شدہ ہوتا ہے، نفس کے یرغمال شدہ عقل میں علم کے باوجود وہ صلاحیت موجود نہیں ہوتی کہ وہ قرآن وسنت کی حقیقت اور اس کی روح کو سمجھ سکے۔ یہ ایسا نکتہ ہے، جسے بدقسمتی سے کتابی علم اور ذہانت کے حجابات کی وجہ سے نظر انداز کیا جاتا ہے، اس کی سزا متعلقہ افراد کو تو ملتی ہی ہے، لیکن امت کو بھی ملتی ہے کہ وہ اہل علم کی غلط فکری رہنمائی کی وجہ سے تقسیم کا شکار ہوجاتی ہے اور سلف کے دینی فہم سے دوری کی صورت پیدا ہوجاتی ہے۔ مرتب)

جب نفس پر حالت کفر غالب ہو
تو ایمان کی حقیقت کہاں؟

شریعت کی ایک صورت ہے اور ایک حقیقت۔ صورتِ شریعت یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول پر اور رسول خداؐ جو اللہ کی طرف سے شریعت لائے ہیں، اس پر

ایمان لانے کے بعد، شرعی احکام بجالائے جائیں، نفسِ امارہ کی سرکشی کے باوجود جو اس کے آفرینش میں رکھی ہوئی ہے۔ اس مقام پر ایمان، صورتِ ایمان ہے، نماز، صورت نماز ہے اور روزہ، صورت روزہ ہے۔

سارے شرعی احکام کی یہی حیثیت ہے، اس لیے کہ جب نفس کفر وانکار پر ڈٹا ہوا ہے تو پھر ایمان اور اعمال صالحہ کی حقیقت کیسے متصور ہوسکتی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے کہ محض صورتِ ایمان واعمال کو قبول فرما کر، اس جنت میں داخل ہونے کی بشارت دے دی جو اس کا محل رضا ہے۔ (مکتوب۵۰ دفتر دوم بنام مرزا شمس الدین)

تشریح

اس مکتوب میں صورت ایمان اور حقیقت ایمان کی وضاحت فرمائی گئی ہے، نفس امارہ جو کفر پر ڈٹا ہوا ہے اور جو حب جاہ اور حرص وہوس کے بتوں سے سجا ہوا ہے، اس کی موجودگی میں اصلاح کی ظاہری صورت اگرچہ بڑی نعمت ہے، تاہم وہ ناکافی ہے اور حقیقت ایمان کی راہ میں رکاوٹ ہے، حقیقت ایمان، اسلامی شریعت پر صدق دل اور اخلاص کے ساتھ عمل پیرا ہونے سے ہی حاصل ہوسکتی ہے۔ مرتب)

عبادت پر غرور کا
اعمالِ صالحہ کو نیست ونابود کرنا

پہلی حالت جو آپ نے لکھی ہے (کہ عبادت وریاضت کرنے سے غرور اور بالاتری کا احساس پیدا ہوتا ہے) یہ دراصل عُجب کی کیفیت ہے اور یہ سَم قاتل اور مہلک مرض ہے، جو اعمالِ صالحہ کو اس طرح نیست ونابود کردیتا ہے، جس طرح آگ لکڑی کو جلا کر راکھ کردیتی ہے۔ اور اس بیماری کا بنیادی سبب یہ ہوتا ہے کہ آدمی اپنی عبادت وغیرہ اعمالِ صالحہ کو بہت اچھا اور قیمتی سمجھتا ہے اور اس کا علاج اس کے برخلاف رویہ اختیار کرنا ہے اور وہ یہ کہ آدمی اپنی نیکیوں کو بدگمانی کی نظر

سے دیکھے اور ان کے اندر جو خرابیاں اور بُرائیاں چھپی ہوئی ہیں، ان پر نظر جمائے، پھر وہ محسوس کرے گا کہ اس کے وہ اعمال قابل قبول ہی نہیں ہیں اور وہ خود بھی مقبولوں کی بجائے مردودوں میں شامل ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے۔ ''بہت سے لوگ ہیں کہ وہ قرآن پڑھتے ہیں اور قرآن ان پر لعنت کرتا ہے۔''

اور ایک حدیث میں ہے۔

''کتنے ہی روزہ رکھنے والے ہیں، جن کا حال یہ ہے کہ ان کے روزہ کا حاصل بھوک پیاس کے سوا کچھ بھی نہیں اور کتنے ہی تہجد گذار ہیں، جن کے تہجد کی حقیقت اور اس کا انجام بے خوابی اور بیداری کے علاوہ کچھ بھی نہیں۔''

تشریح

فرد،اگر اپنے اعمال اور اپنی عبادت کا خوداحتسابی سے جائزہ لے تو اسے محسوس ہوگا کہ اس میں اخلاص، بے نفسی، للھیت، خشوع وخضوع اور عاجزی کی تو غیرمعمولی کمی ہے، نیز اس میں نفسی آمیزش یا سستی وکاہلی کے اثرات غالب ہیں۔ اس طرح کی عبادت واعمال کے ہوتے ہوئے قبولیت کا شرف حاصل ہو، دشوار ہے، یہ خوداحتسابی ہی فرد کو دعویٰ، ریا اور تکبر جیسی بیماریوں سے بچانے کا موجب بن سکتی ہے، یہ عجیب بات ہے کہ نفس، فرد کو نیکوکاری اور بزرگی کی آڑ میں دعویٰ اور تکبر کی راہ پر گامزن کرنے کا موجب بنتا ہے، یہ تکبر، فرد کے اعمال صالحہ کو نیست نابود کردیتا ہے۔ نیکوکاری کی آڑ میں دعویٰ وتکبر سے بچنے کی مؤثر ترین صورت یہی ہے کہ فرد، مسلسل خوداحتسابی سے کام لیتا رہے۔ اور اللہ کے بندوں میں اپنے آپ کو سب سے زیادہ حقیر وسیاہ کار سمجھتا رہے۔ اگرنفس کے لئے یہ چیز بھاری ہوتو جبر سے نفس سے یہ اقرار کرالے اور اسے اس راہ پر لائے،ورنہ تکبر، اہل دنیا کی تباہی کا تو موجب بنتا ہی ہے، نیکوکاروں کے لئے بھی دونوں جہانوں میں رسوائی کا ذریعہ بنے گا۔ مرتب)

عارف کا اپنے اعمال کو سیاہ اعمال سمجھنے کا احساس

کسی کو اس فریب میں مبتلا نہ ہونا چاہیے کہ اس کے اعمال حسنہ خرابی سے خالی ہیں، ذرا بھی غوروتوجہ سے اگروہ دیکھے گا تو اللہ تعالیٰ کی توفیق سے اپنے اعمالِ حسنہ میں ساری خرابیاں دیکھ لے گا۔ اور ان میں حسن وخوبی محسوس نہ کرے گا۔ کیسا عُجب اورکہاں کا احساس بالاتری! بلکہ اپنے ان اعمال کی چھپی ہوئی خرابیوں اور کوتاہیوں کے احساس سے وہ شرمندہ اور دل شکستہ ہوگا اور یہی چیز عنداللہ اس کے اعمال کی قیمت بڑھادے گی اور ان کو قابل قبول بنادے گی، بس اس کی کوشش کریں کہ اپنے اعمال کی چھپی ہوئی خرابیوں اور کوتاہیوں کو دیکھنے اور محسوس کرنے کی عادت پیدا ہوجائے۔ اس کے بغیر کچھ حاصل نہیں۔ اللہ کے جن بندوں کو یہ بات پوری طرح نصیب ہوجاتی ہے،وہ ایسا محسوس کرنے لگتے ہیں کہ ان کی نیکیوں کا لکھنے والا داہنی طرف کا فرشتہ بالکل معطل اور بے کار بیٹھا ہے اور ان کے نامۂ اعمال میں ایک نیکی بھی نہیں لکھی جارہی ہے اور گناہوں کا لکھنے والا بائیں جانب کا فرشتہ برابر لکھنے میں مشغول ہے اور ہر عمل سراسر گناہ ہے اور وہ فرشتہ ہرعمل کو گناہوں کے خانہ میں لکھ رہا ہے،جب عارف اس سرحد پر پہنچ جاتا ہے تو کیا بتایا جائے کہ رب کریم کی طرف سے اس کے ساتھ کیا معاملہ ہوتا ہے۔ ع قلم اینجا رسید وسربشکست (یہاں پہنچ کے قلم ٹوٹ گیا، آگے کچھ لکھنے کے قابل نہیں رہا) ایضاً۔

تشریح

اس مکتوب میں نفس کے اس مکر وفریب کی واردات کی نشاندہی فرمائی گئی ہے کہ عبادت وریاضت کرنے کے باوجود وہ عابد اور بزرگ ہونے کے دعویٰ اور دوسروں کی تحقیر کے مرض میں مبتلا ہوجاتا ہے، نفس، ذکر وفکر وعبادت کے مجاہدوں کے ذریعہ فرد،افراد کو بزرگی کی دعویٰ کی راہ پر بہت فریب کاری سے لگانے کے لئے کوشاں ہوتا ہے۔ نفس کے اس فریب سے بچنے کی واحد صورت ذکر وفکر کے

غیرمعمولی مجاہدے، احتساب نفس اور صحبت اہل اللہ ہے۔ جب طویل عرصہ تک ان تینوں چیزوں کا اہتمام ہوتا ہے تو اس کے بعد کہیں جا کر نفس کی حالت میں تغیر برپا ہوتا ہے اور وہ اپنی عبادت اور اپنے اعمال کو اس قابل ہی نہیں سمجھتا کہ اللہ جل شانہ کے ہاں قابل قبول ہوسکیں، پھر عارف کی یہ حالت ہوتی ہے کہ وہ لرزاں وترساں رہنے لگتا ہے کہ کہیں وہ محبوب کے در سے نکال نہ دیا جائے، اور اس پر یہ احساس غالب ہونے لگتا ہے کہ وہ اپنے قصوروں اور سیہ کاری کی وجہ سے محبوب حقیقی کا سب سے زیادہ عتاب کا مستحق ہے۔اس مقام پر عارف پر اپنی سیہ کاری اور اپنے کچھ بھی نہ ہونے کا احساس طاری رہتا ہے۔ راہ سلوک کی اصل، طالب کو اس مقام تک پہنچانا ہے۔ مرتب)

بندے کا لایعنی کاموں میں مشغول ہونا، اللہ سے اس کی دوری کی علامت ہونا

ضروریاتِ دین کو چھوڑ کر فضولیات وزوائد میں مشغول ہونا، اپنی عمر کو لایعنی وغیرضروری کاموں میں صرف کرنا ہے۔ حدیث میں آیا ہے: ''بندے کا لایعنی وغیرضروری کاموں میں مشغول ہونا، اللہ تعالیٰ سے دوری کی علامت ہے۔'' اگر بحث ِامامت ضرویاتِ دین اور اصول ِشریعت سے ہوتی، جیسا کہ شیعہ گمان کرتے ہیں تو ضروری تھا کہ حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ کتاب مجید میں خلیفہ کا تعین وتقرر فرمادیتا اور حضرت پیغمبرﷺ بھی خلافت کا حکم کسی ایک کے متعلق صراحۃ فرماتے اور کسی کو تصریح کے ساتھ خلیفہ بنادیتے۔ چونکہ کتاب وسنت میں اس امر کا اہتمام، مفہوم نہیں ہے، اس لیے معلوم ہوا کہ بحث امامت غیرضروری وزائد بحث ہے، جو اصول ِدین سے نہیں ہے۔ کوئی فضولی ہی ہوگا، جو فضولیات وزوائد میں مشغول رہے۔ دین کی اتنی ضروریات سامنے ہیں کہ غیرضروری باتوں کی نوبت ہی نہیں آسکتی۔ (مکتوب ۶۰ دفتر دوم بنام محمد تقی)

تشریح

تہذیب نفس اور تزکیہ نفس کا کام دین کے سارے کاموں میں سب سے مقدم کام ہے، لیکن عام طور پر حالت یہ ہے کہ فرد وافراد تزکیہ نفس کی فکر کی بجائے بے شمار جزوی وغیرضروری مسائل میں وقت ضائع کرتے رہتے ہیں۔ یہ غیرمعمولی مسائل زندگی کا ہدف بن گئے ہیں، افراد معاشرہ کی عام طور پر جو حالت ہے، وہ یہ ہے کہ جو چیزیں تہذیب نفس سے تعلق رکھتی ہیں اور جن سے ان کی نجات وابستہ ہے، ان سے تو دلچپسی نہیں ہوتی، جب کہ ان کے علاوہ دنیا بھر کے لایعنی مسائل کے لئے وقت موجود ہوتا ہے۔

جب فرد وافراد پر، نفس کی قوت غالب ہوتی ہے تو اس طرح کی نفسیات ظہور پذیر ہوتی ہے۔ اللہ ہماری اصلاح فرمائے۔ مرتب)

جو چیز مقصود ہوتی ہے، وہی معبود ہوتی ہے

مشائخ ِطریقت قدس اللہ اسرار کے یہاں جو یہ مقولہ ہے ''ہرچہ مقصودِ تست معبود تست'' یعنی جو تیرا مقصود ہے، وہی تیرا معبود ہے، اس کے کیا معنیٰ ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ کسی شخص کا مقصود وہ شے ہوتی ہے، جس کی طرف وہ (ہمہ تن) متوجہ ہوتا ہے اور جب تک جان میں جان رہتی ہے، اس مقصود کے حاصل کرنے میں کوتاہی نہیں کرتا۔ ہرقسم کی ذلت وانکساری جو اس مقصود کے حاصل کرنے میں پیش آئے، اس کو برداشت کرتا ہے، سستی نہیں برتتا ہے اور عبادت کا محاصل بھی یہی ہے، کیونکہ عبادت انتہائی ذلت کا اظہار ہوتی ہے، لہٰذا کسی چیز کا مقصود ہونا، اس شے کے معبود ہونا ہوا۔ پس غیراللہ کی معبودیت کی نفی اس وقت حقیقت ہوگی جبکہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی بھی مقصود باقی نہ رہے اور اس کی مراد، سوائے حق تعالیٰ کے اور کوئی چیز نہ ہو۔ (مکتوب ۳ دسمبر بنام میر محبّ اللہ)

تشریح

یہ حقیقت ہے کہ جو چیز مقصود ہوتی ہے، فرد اس میں جان کھپاتا ہے، اپنی ساری توانائیاں اس میں صرف کردیتا ہے، اس چیز کا جنوں اس پر سوار ہوتا ہے، اس کی ساری فکرمندی بس اسی کے لئے ہوتی ہے۔ اس اعتبار سے دیکھا جائے تو موجودہ دور میں افراد کی بڑی اکثریت کا مقصود مادی زندگی کی آسائشیں بن گئی ہے۔ ساری جدوجہد اور توانائیاں کا ہدف یہی چیز بن کر رہ گئی ہے۔ چنانچہ یہی مقصود پھر معبود کی صورت اختیار کرگیا ہے۔ اللہ کی عبادت مقصود کی صورت اسی وقت اختیار کر سکتی ہے، جب غیر کی نفی کرکے، بیشتر جدوجہد عبدیت کے رنگ کو مستحکم کرنے کے لئے کی جائے، اس مکتوب میں اس کی بہتر طور پر توضیح فرمائی گئی ہے۔ مرتب)

ابرار اور مقربین کی عبادت
میں فرق

پس جب یہ محبت جس کو ذاتی محبت سے تعبیر کیا جاتا ہے، حاصل ہوجاتی ہے تو محبّ کے نزدیک محبوب کی طرف سے انعام اور رنج والم کا ہونا یکساں ہوجاتا ہے اور وہ اللہ کی عبادت خالص اسی کے لئے کرتا ہے، اپنے نفس کے لئے نہیں کرتا، یعنی وہ انعام طلب کرنے اور اپنے آپ کو رنج والم سے بچانے کے لئے عبادت نہیں کرتا، کیونکہ اس کی نظر میں یہ دونوں چیزیں برابر ہیں اور یہ مرتبہ مقربین کے لئے مخصوص ہے، کیونکہ ابرار ذاتی محبت کی سعادت سے بہرہ ور نہ ہونے کے باعث حق سبحانہ وتعالیٰ کی عبادت خوف اور طمع کے لئے کرتے ہیں اور یہ دونوں (یعنی خوف وطمع) ان کے اپنے نفسوں کی طرف راجع ہیں، پس لامحالہ ابرار کی نیکیاں، مقربین کی نسبت سے برائیاں ہیں، لہٰذا ابرار کی نیکیاں ایک لحاظ سے برائیاں ہیں اور ایک لحاظ سے نیکیاں، اور مقربین کی نیکیاں خالص اور محض نیکیاں ہیں۔

ہاں، مقربین میں سے بعض وہ ہیں، جو بقا کی حالت میں آنے اور عالمِ

اسباب میں آنے کے بعد بھی ان کی عبادت میں خوف اور طمع کا غلبہ ہوتا ہے، لیکن ان کا خوف اور طمع اُن کے اپنے نفسوں کی طرف راجع نہیں ہوتا، بلکہ ان کی عبادت میں حق تعالیٰ کی رضامندی کی طمع اور اس کی شانِ عظمت کا خوف شامل ہوتا ہے، حق سبحانہ وتعالیٰ کی عبادت اس کی رضامندی کی طمع اور اس کے غضب وعتاب سے ڈرتے ہوئے کرتے ہیں۔

اور اسی طرح وہ بیشک جنت اس لئے طلب کرتے ہیں کہ وہ حق سبحانہ وتعالیٰ کی رضامندی وخوشنودی کا مقام ہے، نہ کہ اپنے نفس کی لذت کے لئے۔ اور وہ دوزخ سے اس لئے پناہ مانگتے ہیں کہ وہ حق سبحانہ وتعالیٰ کے غضب وناراضگی کی جگہ ہے، نہ کہ اپنے نفسوں سے اس کے رنج والم کو دور کرنے کے لئے، کیونکہ یہ اکابر اپنے نفسوں کی غلامی سے آزاد ہوچکے ہیں اور محض حق سبحانہ وتعالیٰ ہی کے لئے مخصوص ہوگئے ہیں اور مقربین کے مرتبوں میں یہ مرتبہ سب سے اعلیٰ ہے۔ اور اس مرتبہ والے بزرگ کو مرتبۂ ولایتِ خاصہ کے حصول کے بعد مقامِ نبوت کے کمالات میں سے پورا پورا حصہ حاصل ہوجاتا ہے۔ اور جو شخص عالمِ اسباب کی طرف نزول نہیں کرتا، وہ مغلوب الحال اولیاء میں سے ہے۔ (مکتوب ۲۴، دفتر اول)

تشریح

اس مکتوب میں ابرار اور مقربین کی نیکیوں میں فرق کی جو بات فرمائی گئی ہے وہ بہت اہم ہے، مقربین فنائے نفس کے سارے مقامات طے کرکے قرب کے جس مقام پر فائز ہوتے ہیں، ابرار اس مقام سے آشنا نہیں ہوتے، ابرار، معرفتِ نفس کے مراحل سے نہ گذرنے کی وجہ سے نفس کی واردات اور اس کے مکر وفریب کی گہرائیوں کے فہم سے قاصر ہوتے ہیں۔ جس کی وجہ سے نیکوکاری کے باوجود بہت ساری باطنی بیماریوں سے بچاؤ کے سلسلہ میں وہ ناکام رہتے ہیں۔

اللہ سے ذاتی محبت کے نتیجہ میں مقربین عرصہ تک اندر میں غوطہ زن ہو کر، نفس کے خلاف معرکہ آرائی میں مصروف رہتے ہیں۔ اللہ کے انوارحسن کی مسلسل

شعاؤں سے ان کے قلب کا آئینہ صاف شفاف ہوجاتا ہے اور اس میں نفسی قوتوں کی معمولی سی معمولی آمیزش بھی صاف طور پر دکھائی دیتی ہے، جس کی وجہ سے وہ فورا متنبہ ہوکر توبہ تائب ہوتے ہیں، جب کہ ابرار کو یہ سعادت حاصل نہیں ہوتی۔ موجود مادہ پرستی کے غلبہ کے دور میں ابرار کے گروہ میں شامل ہونا بھی بجائے خود بڑی سعادت کی بات ہے، تاہم ابرار اور مقربین کے درمیاں فرق کی نوعیت کو سمجھنا چاہئے کہ مقربین کا گروہ عرصہ تک محبوب کی جلالی صفات کے عکس کے ذریعہ روزانہ مرتا ہے، پھر زندہ ہوکر پھر موت کا شکار ہوتا رہتا ہے، جب پندرہ بیس سال کے مسلسل اس جلالی عمل سے ان کے نفس کی قابل ذکر حد تک اصلاح ہوجاتی ہے تو اس کے بعد کہیں جاکر انہیں جلالی تجلیات کے ذریعہ آئے دن کی موت کی حالت سے جان خلاصی ملتی ہے، اس طرح مقربین، قیامت خیز حالات سے گذر کر نفس کو بڑی حد تک مہذب بنانے میں کامیاب ہوتے ہیں، جب کہ ابرار کو ان مراحل سے گذرنا نصیب نہیں ہوتا، جس کی وجہ سے وہ روز مرہ زندگی میں نفس کی حیرت انگیز قوتوں سے آشنا نہیں ہوپاتے، تاہم وہ اپنے علم کی حد تک نیکی کے لئے کوشاں ہوتے ہیں، جو اس دور میں بجائے خود بڑی سعادت کی بات ہے۔ مرتب)

دینی علم کی اہمیت

معتبر آدمیوں نے بیان کیا ہے کہ آپ کے بعض خلفاء کو ان کے مرید سجدہ کرتے ہیں اور زمین بوسی پر بھی کفایت نہیں کرتے، اس فعل کی برائی آفتاب سے بھی زیادہ ظاہر ہے، آپ ان کو منع کریں اور منع کرنے میں تاکید سے کام لیں۔ اس قسم کے افعال سے پرہیز کرنا، ہر شخص کے لئے ضروری ہے، خاص طور پر جو شخص لوگوں کا پیشوا ومقتدا بنا ہوا ہو، اس کو اس قسم کے افعال سے پرہیز کرنا اشد ضروری ہے کیونکہ اس کے پیرو اس کے اعمال کی پیروی کریں گے اور مصیبت میں گرفتار ہوجائیں گے۔

اور نیز اس جماعت کے علوم، احوال کے علوم ہیں۔ اور احوال، اعمال کے

نتیجے وثمرات ہیں، اور احوال کے علوم سے ورثہ اسی شخص کو ملتا ہے، جس نے اپنے اعمال کو درست کیا ہو اور ان کا حق ادا کرنے پر قائم رہا ہو۔ اور اعمال کی درستی اس وقت حاصل ہوتی ہے، جبکہ فرد اعمال کو پہچانے اور ہر عمل کی کیفیت کو جانے، اور وہ شرعی احکام یعنی نماز وروزہ اور باقی فرائض، معاملات ونکاح وطلاق وخرید وفروخت اور ہر اس چیز کا علم ہے، جس کو حق سبحانہ وتعالیٰ نے اس پر واجب کیا ہے اور اس کو اس کی طرف دعوت دی ہے، اور یہ علوم محنت سے حاصل ہوتے ہیں، ان کو سیکھے بغیر کسی شخص کو بھی چارہ کار نہیں ہے۔

علم، دو مجاہدوں کے درمیان ہے، ایک مجاہدہ علم کے حاصل ہونے سے پہلے اس کی طلب کی صورت میں میں ہوتا ہے اور دوسرا مجاہدہ علم حاصل ہونے کے بعد اس کے استعمال یعنی اس پر عمل کرنے کی صورت میں ہوتا ہے۔ پس جس طرح آپ کی مبارک مجلس میں تصوف کی کتابوں میں سے کچھ بیان ہوتا رہتا ہے، اسی طرح فقہ کی کتابوں میں سے کچھ بیان ہوتا رہنا چاہئے، اور فقہ کی کتابیں فارسی میں بہت ہیں، مثلاً مجموعہ خانی، عمدۃ الاسلام وکنز فارسی، بلکہ اگر تصوف کی کتابوں میں سے بیان نہ بھی ہو تو کچھ مضائقہ نہیں، کیونکہ وہ چیزیں احوال سے تعلق رکھتی ہیں اور بیان کرنے میں نہیں آتیں اور فقہ کی کتابوں میں سے بیان نہ ہونے میں نقصان کا احتمال ہے مزید گفتگو کیا کی جائے "القلیل یدل علی الکثیر" (تھوڑی بات کثیر پر دلالت کرتی ہے)۔ (مکتوب ۲۹، دفتر اول)

تشریح

اس مکتوب میں علم کی دو حیثیتیں بیان فرمائی گئی ہیں، ایک یہ کہ شریعت کا ظاہری علم حاصل کیا جائے، تاکہ زندگی بھر کے معاملات میں اسلامی شریعت کے احکامات کا علم حاصل ہو سکے۔

اگر اس علم سے جہالت ہوگی تو عمل کس طرح ہوگا۔ عمل کے لئے علم کا ہونا ضروری ہے۔ علم کی دوسری حیثیت یہ ہے کہ عمل کی قوت واستعداد پیدا ہو اور نفس

سے شرعی احکامات بجالانے کی صلاحیت پیدا ہو، سلوک وتصوف کی ریاضتوں کا مقصد یہی ہے۔ مرتب)

عشق ومحبت کا،
مقامِ عبدیت کا ذریعہ ہونا

اب ہم اصل بات کی طرف آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ چونکہ حق تعالیٰ کی مقدس بارگاہ کے حوالے سے بات کرنے کی مجال نہیں ہے، اس لئے ہم اپنی بندگی کے مقام اور ذلت وعاجزی کے بارے میں بات کرتے ہیں کہ انسان کے پیدائش سے مقصود بندگی کے معمولات بجالانا ہے، اور اگر ابتدا اور درمیان میں کسی کو عشق ومحبت دیا آگیا ہے تو اس سے مقصود حق تعالیٰ کے سوا سب سے فرد کا قطع تعلق کرنا ہے۔ عشق ومحبت بھی اصل مقاصد میں سے نہیں ہے، بلکہ عشق ومحبت عبدیت (بندگی) کا مقام حاصل ہونے کا ذریعہ ہیں، انسان حق تعالیٰ شانہ کا بندہ اسی وقت بنتا ہے یہ عشق ومحبت اللہ کے سوا ساری چیزوں سے (قلبی) رشتہ منقطع کرنے کا ذریعہ ہیں۔ اور کچھ نہیں، جبکہ ماسوی اللہ کی گرفتاری وبندگی سے پوری طرح آزادی حاصل ہوجائے لہٰذا ولایت کے مراتب کا آخری مرتبہ مقام عبدیت ہے، ولایت کے درجات میں مقام عبدیت سے اوپر کوئی مقام نہیں ہے، اس مقام میں بندہ اپنے مولا کے ساتھ اپنے لئے اس کے سوا اور کوئی چاہت نہیں رکھتا کہ بندہ کی جانب سے احتیاج ہے اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی جانب سے ذات وصفات کے اعتبار سے مکمل استغنا وبے نیازی ہے اس سے مقصود یہ بات ہرگز نہیں ہے کہ فرد اپنی ذات کو حق تعالیٰ جل شانہ کی ذات کے ساتھ اور اپنی صفات کو اس کی صفات کے ساتھ اور اپنے افعال کو اس کے افعال کے ساتھ متصل محسوس کرے، اللہ کی صفات کا عکس کہنا زیادہ مناسب بات ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ تو اس سے بھی زیادہ پاک ہے، حق سبحانہ وتعالیٰ کو خالق اور اپنے آپ کو مخلوق جاننا ہے، اس سے زیادہ کچھ کہنے کی جرأت نہیں۔ (دفتر اول مکتوب ۳۰)

تشریح

اس مکتوب میں یہ اہم نکتہ بیان فرمایا گیا ہے کہ اگرچہ عشق ومحبت کی غیرمعمولی اہمیت ہے۔ قرب کے مقامات کا تعلق عشق ومحبت سے ہے۔ فرد، اللہ کی محبت میں جس تیز رفتاری سے چلے گا، فنائے نفس کا سفر اسی رفتار سے جلد طے ہوگا، لیکن عشق سے اصل مقصود عبدیت کے مقام پر فائز ہوکر اللہ کی شان عظمت کے مقابلہ میں اپنی ہستی کو آخری حد تک فنا کرنا ہے۔ مقام عبدیت ہی وہ اصل مقصود ہے، کہ راہ محبت وراہ سلوک کے ذریعہ جس تک رسائی حاصل کرنی ہے۔

اللہ، شان عظمت وشان جلال کی حامل ہستی ہے، جب کہ بندہ کی حیثیت بندگی کے آخری حد تک آداب بجالانے کے باوجود اپنی بندگی کے عجز کا اعتراف کرنا ہے۔ بندہ کا کمال، مقام عبدیت پر فائز ہوکر، مولائے حقیقی کے سامنے ہمہ وقت آداب بندگی بجالانے سے زیادہ اور کوئی نہیں۔ عشق ومحبت اس سفر کا سب سے مؤثر ذریعہ ہے۔ بعض بزرگوں نے عشق ومحبت کو سب سے زیادہ اہمیت دی ہے۔ یہ اہمیت اس لئے ہے کہ محبوب حقیقی سے عشق کے بغیر عبدیت کے سلیقہ سے آشنائی ہونا اور عبدیت کے آداب بجا لانے کی استعداد کا پیدا ہونا ممکن نہیں یہ کہا جا سکتا ہے کہ عبدیت کے مقام کا حصول اگرچہ اصل مقصود ہے، لیکن چونکہ یہ مقصد عشق ومحبت کے ذریعہ ہی حاصل ہوتا ہے، اس لئے ایک اعتبار سے عشق ومحبت بھی مقصود ہی کے درجہ میں شامل ہے۔ اس لئے بعض بزرگوں نے کہا ہے کہ اگر انبیاء کرام کی بعثت کے مقصد کو مختصرا بیان کیا جائے تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ فطرت میں محبوب حقیقی سے موجود محبت کے جذبات جسے گھر کا ماحول اور تعلیم وتربیت کے ادارے دبا دیتے ہیں، انہیں بیدار کرکے اللہ کی اطاعت کے ذریعہ نہیں ارتقائی صورت دی جائے۔ مرتب)

کچھ فنا کے درجات کے بارے میں

کوئی سادہ دل فرد یہ گمان نہ کرے کہ معرفت میں تو عام وخاص مبتدی ومنتہی

سب برابر ہیں (تو پھر عوام وخواص کے درمیاں فرق ہی کیا ہے) ہم (اس کے جواب میں) کہتے ہیں کہ اس (سادہ دل) نے علم اور معرفت میں امتیاز نہیں کیا ہے۔ مبتدی کو محض معرفت کا علم ہے، جب کہ منتہی کو اس کی معرفت حاصل ہے، معرفت، فنا کے بغیر حاصل نہیں ہوتی اور یہ دولت فانی فی اللہ کے سوا کسی کو حاصل نہیں ہوتی۔ مولانا روم فرماتے ہیں۔

ہیچکس راتا نگردد او فنا — نیست رہ در بارگاہِ کبریا

(ترجمہ) جب تک انسان کو نہ حاصل ہو فنا۔
پائے کیونکر بارگاہِ کبریا

پس جب معرفت، علم کے علاوہ ہوئی تو جاننا چاہئے کہ مشہور دانش کے سوا ایک اور چیز ہے، جس کو معرفت سے تعبیر کرتے ہیں اور اس کو ادراک بسیط بھی کہتے ہیں۔ شعر:

فریادِ حافظ ایں ہمہ آخر بہرزہ نیست — ہم قصۂ غریب وحدیث عجیب ہست

(ترجمہ) حافظ جو کہہ رہا ہے وہ بیکار تو نہیں یہ بات بس غریب بھی ہے اور عجیب بھی۔

مثنوی:

اتصالے بے تکیف بے قیاس — ہست رب الناس باجانِ ناس
لیک گفتم ناس را نسناس نہ — ناس غیر از جانِ جاں آشناس نہ

(ترجمہ) حق سے انسان کا عجب ہے اتصال عقل وکیفیت میں کیونکر آئے گا؟
یہ ہے بات انسان کی حیوان کی نہیں جانِ جانِ کا بس ہے انسان آشنا۔)

فنا کے بھی مرتبے مختلف ہیں، اس لئے منتہیوں کو بھی حق تعالیٰ کی معرفت میں ایک دوسرے پر فضیلت حاصل ہوگی، جس شخص کی فنا کامل ترین ہوگی، اس کی معرفت بھی کامل ترین ہوگی اور جس کی فنا کم درجے کی ہوگی، اس کی معرفت بھی کم درجہ کی ہوگی۔ علیٰ ہذاالقیاس۔

سبحان اللہ! بات کہاں پہنچ گئی۔ چاہئے تو یہ تھا کہ میں اپنی بے حاصلی ونامرادی، بے استقامی اور بے ثباتی کی نسبت کچھ لکھتا اور دوستوں سے مدد طلب

کرتا۔ مجھے اس قسم کی باتوں سے کیا مناسبت۔

آ گہ از خویشتن چونیست جنین — چہ خبردار از چناں وچنیں

(ترجمہ) جبکہ واقف نہیں ہے خود سے جنین پھر وہ کیا جانے چنان وچنیں۔

لیکن بلند پایہ ہمت اور ذاتی خصلت اجازت نہیں دیتی کہ انسان پست نوعیت کی چیزوں اور ادنیٰ سرمائے کی طرف اُتر آئے اور ان کی طرف توجہ کرے، اگر کہا ہے تو اسی (حق تعالیٰ) کے بارے میں ہی کہا ہے، اگرچہ کچھ نہیں کہا ہے اور اگر فرد تلاش کرے تو اسی کو تلاش کرے، اگرچہ کچھ بھی نہیں پاتا ہے، اگر کچھ آرزو رکھتا ہے تو اسی کی رکھتا ہے، اگرچہ کچھ بھی نہیں رکھتا ہے، اور اگر واصل ہے تو اسی کے ساتھ واصل ہے اگرچہ (یہ واصل ہونا) بے حاصلی ہے۔ (دفتر اول مکتوب ۳۸)

تشریح

اصل معرفت تو فانی فی اللہ اور بقا باللہ کے حامل صوفی کو حاصل ہوتی ہے۔ مبتدی معرفت کی نوعیت تک سے ناآشنا ہوتا ہے، منتہی صوفی کو جب معرفت حاصل ہوتی ہے تو اس وقت اس کی حالت وہی ہوتی ہے، جس کا مظاہرہ مکتوب کے آخری حصہ میں ہوا کہ سالک عاجز ہوکر رہ جاتا ہے، سارے مجاہدوں اور ساری توانائیوں کے استعمال کے باوجود وہ اللہ کی شان عظمت کی معرفت سے قاصر ہوتا ہے۔ وصول کی ساری کوششوں کے باوجود وصول الی اللہ کو اپنے سے دور، بہت دور محسوس پاتا ہے، معرفت کی ساری باتیں بیاں کرنے کے باوجود وہ سمجھتا ہے کہ کچھ بھی تو بیان نہیں ہوا۔ اللہ کی ذات اقدس اس سے بلند اور بہت زیادہ بلند ہے۔ مرتب)

روح کی ترقی کا نفس کی مخالفت سے وابستہ ہونا

جاننا چاہئے کہ نفس کے مطمئنہ ہوجانے کے باوجود اس کی صفات کے باقی رکھنے میں بہت سے فائدے اور منافع ہیں، اگر نفس کو اس کی اپنی صفات کے ظہور

سے بالکل روک دیا جائے تو ترقی کا راستہ بند ہوجائے گا اور روح، فرشتے کا حکم پیدا کر لے گی اور وہ ایک ہی مقام تک محدود ہوجائے گی (کیونکہ) روح کی ترقی نفس کی مخالفت کی وجہ سے ہے، اگر نفس میں مخالفت کا مادہ موجود نہ رہے تو روح کو ترقی کہاں سے حاصل ہوگی۔

سرورِ کائناتﷺ جب کفار کے خلاف جہاد سے واپس تشریف لائے تو فرمایا "**رجعنا من الجهاد الاصغر الى الجهاد الاكبر**" (یعنی ہم نے جہادِ اصغر (قتال بالکفار) سے جہادِ اکبر (جہادِ نفس) کی طرف آئے) آنحضرتﷺ نے اس ارشاد میں نفس کے خلاف جہاد کو جہادِ اکبر فرمایا۔ (مکتوب ۴۱، دفتر اول)

تشریح

اس مکتوب میں یہ اہم نکتہ بیان فرمایا گیا ہے کہ ریاضتوں ومجاہدوں سے نفس کی تہذب ہوجانے کے باوجود اس کی بشری صفات باقی رہتی ہیں۔ فرد کے نفسی جذبات بھی موجود ہوتے ہیں۔ نفس کی ان صفات کو باقی رکھنے میں بڑی مصلحتیں موجود ہیں کہ روح کی ترقی، مخالفت نفس سے ہی وابستہ ہے، لیکن فنائے نفس کے بعد نفس کی سرکشی کا زور ٹوٹ جاتا ہے اور شرعی احکام پر عمل پیرا ہونے میں وہ دشواری باقی نہیں رہتی، جو مبتدی ومتوسط طالب کو ہوتی ہے۔ مرتب)

دل پر لگے ہوئے زنگ کو
دور کرنے کی صورت۔ اتباع سنت

(محبوبِ حقیقی سے) محروم دل کے آئینہ کو غیراللہ کی محبت کے زنگ سے صاف کرنا ضروری ہے، اور اس زنگ کو دور کرنے کے لئے سب سے بہتر چیز حضرت محمد مصطفیﷺ کی روشن وبلند سنت کی پیروی کرنا ہے۔ اتباع سنت کا دارومدار نفسانی عادتوں سے گلو خلاصی اور رسموں سے نجات سے وابستہ پر ہے "**فطوبى لمن شرف بهذه النعمة العظمىٰ وويل لمن حرم من هذه الدولة القصوىٰ**" (ترجمہ: پس

اس شخص کے لئے خوشخبری ہے جس کو اس بڑی نعمت کا شرف حاصل ہوا اور اس شخص کے لئے افسوس ہے جو اس اعلیٰ دولت سے محروم رہا)۔ (مکتوب ۴۳، دفتر اول)

تشریح

جو دل محبوب حقیقی کی محبت سے محروم ہے، اس پر نفس پرستی کے زنگ لگ جاتے ہیں۔ نفس پرستی کے یہ زنگ فردوافراد کو اسلامی شریعت اور حضورﷺ کی سنتوں پر عمل پیرا ہونے کی راہ میں سخت رکاوٹ ہیں۔ اس لئے اللہ کی محبت کے ذریعہ نفس کے ان زنگوں کو صاف کرنا ضروری ہے۔ مرتب)

کشف میں القائے شیطانی کا دخل ہونا

دوسرا سوال یہ ہے کہ طالب صادق کے کشف وشہود میں شیطانی القا کو دخل ہے یا نہیں؟ اور اگر دخل ہے تو کشفِ شیطانی کو واضح کریں کہ وہ کس طرح ہے، اور اگر دخل نہیں ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ بعض الہامی چیزوں میں خلل واقع ہوجاتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے واللہ سبحانہ اعلم بالصواب (صحیح بات تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہی کو ہی جانتا ہے) کہ کوئی شخص بھی القائے شیطانی سے محفوظ نہیں ہے، جبکہ یہ دخل اندازی انبیاء علیہم الصلواۃ والسلام میں بھی شامل ہے تو اولیائے کرام میں تودرجۂ اولیٰ ہوگی، طالب صادق کس گنتی میں ہے، حاصل کلام یہ کہ انبیاء علیہم السلام کو اس القائے (شیطانی) پر (حق سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے) آگاہ کردیا جاتا ہے اور باطل کو بھی حق سے جدا کر دیا جاتا ہے (جیسا کہ) آیۂ کریمہ **فَيَنسَخُ اللَّهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطَانُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللَّهُ آيَاتِهِ** (سورہ الحج آیت ۵۲) (پس جو کچھ شیطان القا کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو مٹادیتا ہے پھر اپنی آیات کو محکم واٹل کر دیتا ہے) اسی مضمون پر دلالت کرتی ہے اور یہ بات اولیاء کے لئے لازم نہیں ہے، کیونکہ ولی، نبی کے تابع ہوتا ہے، وہ جو کچھ نبی کے (قول وفعل کے) خلاف پائے گا، اس کو رد کردیگا، ہاں ایسی صورت میں جس میں نبی کی شریعت خاموش ہو اور اس معاملہ میں اثبات ونفی کے ضمن میں

کوئی شرعی حکم موجود نہ ہو تو حق وباطل کے درمیان امتیاز یقینی طور پر مشکل ہوتا ہے، کیونکہ الہام کا تعلق ظن سے ہے، لیکن عدم امتیاز کی صورت میں ولی کی ولایت میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی، اس لئے کہ شریعت (کے احکام) کی بجا آوری اور نبی کی پیروی دونوں جہان میں فلاح ونجات کی ضامن ہے اور جن امور کے بارے میں شریعت نے سکوت اختیار کیا ہے، وہ شریعت سے زائد ہیں اور ہم زائد معاملات کے ذمہ دار نہیں ہیں۔ (دفتر اول مکتوب ۱۰۷)

تشریح

کشف کی حیثیت یہ ہے کہ اس میں شیطانی القاء کے امکانات پوری طرح موجود ہیں، اس کشف کو اتنی اہمیت دینا کہ جدید دور کے بیشتر بزرگوں اور ان کے مریدوں کی طرف سے اسے بزرگی کے معیار کے طور پر پیش کرنا، اور طالبوں کی اسی بنیاد پر ذہن سازی کرنا، راہ سلوک وراہ محبت کے اہداف کو تبدیل کرنے کے مترادف ہے، اس کا ایک بڑا نقصان جو ہوتا ہے، وہ یہ ہے کہ طالب زندگی بھر اس حسرت میں رہتا ہے کہ بزرگ سے وابستگی کے باوجود اسے تو کشف اور دوسری دنیا کے مشاہدے ہی حاصل نہیں ہوئے۔ اس کو وہ اپنی سب سے بڑی محرومی سمجھنے لگتا ہے۔ طالبوں کی اس ذہنیت اور نفساتی سانچہ کو پیش نظر رکھکر، یہ کہنا بجا ہوگا کہ کشف اور بہتر خوابوں کی حقیقی اہل اللہ کے ہاں کوئی اہمیت نہیں، اصل دیکھنے کی چیز یہ ہوتی ہے کہ طالب کی زندگی میں اسلامی اعتبار سے بنیادی تغیر واقع ہوا ہے یا نہیں، اگر ہوا ہے تو یہ چیز ہزار کشفوں پر بھاری ہے۔مرتب)

کشف میں قوت متخیلہ کا کردار

جاننا چاہئے کہ غلط کشف کا واقع ہونا، محض القائے شیطانی ہی کا نتیجہ نہیں ہے، بلکہ اکثر اوقات ایسا ہوتا ہے کہ خیالی قوت، غلط احکام کی ایک صورت پیدا کرلیتی ہے جس میں شیطان کا کوئی دخل نہیں ہوتا، اسی قسم میں یہ بھی شامل ہے کہ بعض

لوگوں کو خواب میں حضور نبی کریم علیہ الصلواۃ والسلام کی زیارت نصیب ہوتی ہے اور وہ آپ سے بعض احکام اخذ کرلیتے ہیں، جو حقیقت میں شرعی احکام کے خلاف ہوتے ہیں، ایسی صورت میں القائے شیطانی تصور نہیں کی جاسکتی، کیونکہ علمائے کرام کا متفقہ فیصلہ ہے کہ شیطان، حضرت محمد ﷺ کی شکل میں کسی طرح بھی ظاہر نہیں ہو سکتا۔ پس اس صورت میں یہ خیالی قوت ہی ہوتی ہے، جو اس صورت میں ظاہر ہوتی ہے کہ وہ غیر واقع کو واقع تصور کرلیتی ہے اور کچھ نہیں ہے۔ (دفتر اول مکتوب ۱۰۷)

تشریح

کشف میں خیالی قوت کو بھی عمل دخل ہوتا ہے، مثال کے طور پر ایک متوسط صوفی شدید خواہشمند ہے کہ اسے بزرگوں کی طرف سے خلافت مل جائے، یہ فکر اس پر غالب ہے، اس خیالی قوت کو وہ کشف یا خواب میں اس طرح دیکھتا ہے کہ بڑے بڑے بزرگوں کی روحوں سے اس کی ملاقات وزیارت ہوتی ہے، وہ تحریری صورت میں اسے خلافت دے رہے ہیں۔ یہ قوت متخیلہ کے اثرات ونتائج ہیں، ادھر یہ متوسط صوفی بہت شاداں وفرحاں ہے اور اپنی ہر مجلس میں بزرگوں کی طرف سے دی گئی خلافت کا چرچا کررہا ہوتا ہے۔اس چیز کے قوت متخیلہ نہ ہونے کا اعتبار اس وقت ہوتا، جب یہ متوسط صوفی حب جاہ وحب مال سے پوری طرح محفوظ ہوتا اور اس خلافت پر شاداں وفرحاں ہوکر، اسے معتقدوں ومریدوں کی تعداد میں اضافہ کا ذریعہ نہ بناتا۔ مرتب)

تخلقوا باخلاق اللہ کی تشریح

واضح ہو کہ "تخلقوا باخلاق الله" کے معنی جو ولایت میں معتبر ہیں، وہ یہ ہیں کہ اولیاء کو ایسی صفات حاصل ہوجائیں، جو حق تعالیٰ کی صفات سے مناسبت رکھتی ہوں، لیکن وہ مناسبت صرف اسم اور عام صفات میں مشارکت ہوسکتی ہے خواص معانی میں مناسبت نہیں ہوسکتی کہ وہ اس میں محال ہے اور اس میں حقائق کا تغیر

وتبدل لازم آتا ہے۔

خواجہ محمد پارسا قدس سرہ تخلقوا باخلاق اللہ کے مقام کی تحقیق کے بیان میں فرماتے ہیں کہ (حق سبحانہ وتعالیٰ) کی ایک صفت ملک (بادشاہ) ہے اور ملک کے معنی ہر چیز میں تصرف کرنے والے کے ہیں، جب راہِ حق کا سالک اپنے نفس پر قابو پالیتا ہے اور اسے مغلوب کرلیتا ہے تو وہ ملک کی اس صفت کا مناسبت رکھنے والا کہلاتا ہے اور ایک صفت سمیع ہے اور سمیع کے معنی سننے والے کے ہیں، جب راہِ حق کا سالک ہر شخص کی نیک باتیں طبیعت کی گرانی کے بغیر سُن کر قبول کر لیتا ہے اور غیبی اسرار وحقائق کو روح کے کانوں سے سُنتا ہے تو وہ اس صفت (سمیع) سے مناسبت رکھنے والا کہلاتا ہے اور ایک صفت بصیر ہے اور بصیر کے معنی دیکھنے والے کے ہیں، جب سالک کی بصیرت (دل کی آنکھ) روشن ہوجاتی ہے تو وہ اپنے سارے عیبوں کو نورِ فراست سے دیکھنے لگتا ہے اس وقت دوسروں کو کمال درجہ پر پاکر سب کو اپنے سے بہتر دیکھتا ہے اور اس کا اپنے آپ کو دوسروں سے حقیر تر دیکھنا اسے حق تعالیٰ کا منظورِ نظر بنادیتا ہے، یہانتک کہ وہ جو کچھ کرتا ہے،حق سبحانہ وتعالیٰ کا پسندیدہ کام ہوتا ہے تو اس وقت وہ اس صفت بصیر سے مناسبت رکھنے والا کہلاتا ہے اور حق تعالیٰ کی ایک صفت محی ہے، محی کے معنی زندہ کرنے والے کے ہیں۔ جب سالک ترک شدہ سنت کو زندہ اور قائم کرتا ہے تو وہ اس صفت محی سے مناسبت رکھنے والا کہا جائے گا اور حق تعالیٰ کی ایک صفت ممیت ہے، یعنی مارنے والا۔ جب سالک ان بدعات سے جو لوگوں نے سنت کو ترک کرکے اختیار کر لی ہوں، ان کے خلاف آواز بلند کرتا اور ان کی روک تھام کے لئے کوشاں ہوتا ہے تو وہ اس صفت ممیت سے مناسبت رکھنے والا ہوجاتا ہے۔ علیٰ ہذاالقیاس۔ (مکتوب ۱۰۷، دفتر اول)

تشریح

کثرت ذکر وفکر کے نور سے جب نفس کی صفات میں تغیر واقع ہوتا ہے اور صبغۃ اللہ (اللہ کا رنگ) غالب ہونے لگتا ہے تو بندہ میں اللہ کی بعض صفات کا عکس

آجاتا ہے، مثلاً اللہ رحیم ہے تو بندہ کو رحم کی اس صفت میں سے کچھ حصہ ملنے لگتا ہے۔ اللہ صابر ہے تو بندہ میں صبر وقوت برداشت کی صفات آجاتی ہے، اللہ مدد کرنے والا ہے تو بندہ بھی اپنی استطاعت کے مطابق اللہ کی مخلوق کی مدد کے لئے کوشاں ہوتا ہے۔ تخلقوا باخلاق اللہ کی یہ استعداد کثرت ذکر کے نور کے بغیر پیدا ہو سکے، ممکن نہیں۔ اہل اللہ کو اس کا وافر حصہ ملنے لگتا ہے، یہ اوصافِ بلند ہی اہل اللہ کے مقامات کو بلند کرنے کا ذریعہ بنتے ہیں۔ مرتب)

فقیروں کے لباس میں
دنیا طلبی کی مذمت

فقیروں کے لباس میں رہ کر اللہ تعالیٰ جل شانہ کی (ناپسندہ دنیا) کی تلاش وجستجو میں لگے رہنا، بہت ہی بری بات ہے۔

تعجب ہے کہ یہ بُری چیز تمہیں کیسے بھلی معلوم ہونے لگی ہے۔ دنیاوی ضروریات کے حصول کے لئے ضرورت کے مطابق ہی کوشش کرنی چاہئے، ساری عمر ان کاموں میں مصروف رہنا اور قیمتی زندگی کو اسی دنیا پر ضائع کرنا، محض بے وقوفی ہے، چند روزہ زندگی کی مہلت کو غنیمت جانیں۔ ہزار افسوس، اس شخص پر، جو بے فائدہ کاموں میں وقت ضایع کرے۔ آگاہ کردینا شرط ہے۔ ماعلی الرسول الا البلاغ۔ قاصد کے ذمہ صرف پہنچا دینا ہے، لوگوں کے (بُرا بھلا) کہنے سے تنگدل نہ ہوں، وہ باتیں جو لوگ آپ کی طرف منسوب کرتے ہیں، اگر آپ میں نہیں ہیں تو کوئی غم نہیں۔ کتنی بڑی خوش نصیبی کی بات ہے کہ لوگ اس کو بُرا جانیں، جبکہ وہ حقیقت میں نیک ہو، اگر معاملہ اس کے برعکس ہو تو خطرہ کی بات ہے۔ (مکتوب ۱۵۰، دفتر اول)

تشریح

دنیا کی حسرت میں رہنا، اپنی ساری توانائیاں دولت کے حصول میں صرف

کرنا، یہ تو خسارہ عظیم ہے ہی، لیکن فقیری کے لباس میں دنیا کی چاہت کا ہونا اور
درویشی کی روپ میں دولت جمع کرنے کی کاوشوں کا ہونا، یہ تو اس سے زیادہ بڑا
ہے۔ اللہ نے زندگی کی جو مہلت دی ہے، اسے غنیمت سمجھ کر، آخرت میں نجات کی
جدوجہد میں صرف کرنا، یہی سب سے بڑی سعادت ہے۔ درویشی اور بزرگی، فقر
سے وابستہ ہے۔ الفقر فخری کے مطابق رسالتمآب ﷺ کی زندگی، فقر کا اعلیٰ ترین
نمونہ تھی۔ آپ کی زندگی بھر کا معمول تھا کہ دن بھر میں جو بھی دولت ودرہم آتا، وہ
رات کو سونے سے پہلے ہی اللہ کی راہ میں خرچ کردیتے۔ ایک رات، گھر والوں
سے کچھ رقم خرچ کرنے سے رہ گئی تو آپ ﷺ کی ساری رات بے چینی کی حالت
میں گذری، فقر کی یہی زندگی اہل اللہ کو، رسول اللہ ﷺ سے والہانہ محبت کے نتیجہ
میں حاصل رہی ہے اور یہی زندگی اہل اللہ اور بزرگان دین کی امتیازی نشانی رہی
ہے۔ اہل اللہ کے حالات زندگی پر جتنی بھی کتابیں لکھی گئی ہیں، ان سب میں جو
مشترکہ بات نظر آتی ہے، وہ ان کی دنیا سے بے نیازی، استغنا اور حالت فقر ہے۔
حضرت بہاءُ الدین زکریاؒ، اور حضرت خواجہ عبیداللہ احرار جیسی چند شخصیتوں کے
بارے میں آتا ہے کہ ان کے ہاں دنیاوی وجاہت کا سامان موجود تھا، لیکن ان کے
بارے میں یہ بھی ملتا ہے کہ ان کے مال میں اللہ کی غریب مخلوق کے لئے غیر معمولی
حصہ موجود تھا۔

بیسویں صدی کے ایک بڑے عارف اور مفکر جنہوں تاریخ دعوت وعظیمت پر
مؤثر کتابیں لکھی ہیں، ان کا کہنا ہے کہ اہل اللہ کے کام اور جدوجہد میں ایک بات
جو سب میں مشترکہ نظر آتی ہے، وہ ان کا فقر، دنیا سے بے نیازی کی روش، توکل
اور زہد کی صفات ہیں، موصوف مزید لکھتے ہیں، دعوت وعظیمت کا کام اور فقر وزہد،
توکل اور استغنا یہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ لازم ملزوم ہیں۔ ان دونوں کو ایک
دوسرے سے جدانہیں کیا جاسکتا۔

اس دور میں بزرگی کے نام پر سرمایہ دارانہ زندگی کے مظاہر ومناظر دراصل
سلف صالحین کے تسلسل کے منافی ہیں، اس کا نتیجہ ہے کہ تصوف، امت کا اس وقت

سب سے متنازع ادارہ بن گیا ہے۔ دوم یہ کہ جگہ جگہ بزرگوں کی اولاد اور ان کے
خلیفوں کے درمیاں دولت واملاک کی تقسیم پر تصادم برپا ہیں اور مقدمات چل رہے
ہیں۔ مرتب)

زندگی کا فقراء کے ساتھ گذارنے کا عہد کرنا

بہرحال چند روزہ زندگی، فقراء کے ساتھ گذارنی چاہئے: وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ
الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُم بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ ۔ (سورۂ کہف ۱۸ آیت ۲۸) (یعنی اپنے
آپ کو اُن لوگوں کے ساتھ روکے رکھو (یعنی ان کی صحبت وہمنشینی اختیار کرو) جو صبح
وشام اپنے رب کو اس کی رضامندی حاصل کرنے کے لئے پکارتے (عبادت کرتے
ہیں) خودنص قاطع ہے کہ حق سبحانہ وتعالی نے اپنے رسول کو اس کا حکم فرمایا:

ایک عزیز فرماتے ہیں کہ "الٰہی یہ کیا ماجرا ہے جو تونے اپنے دوستوں کے
ساتھ کیا ہے کہ جو شخص اُن (فقراء) کو پہچان لے، وہ تجھ کو پالیتا ہے اور جب تک
تجھ کو نہیں پالیتا، ان کو نہیں پہچانتا "رزقنا الله تعالیٰ وایاکم محبة هذه الطائفة
العلية الشريفة" (اللہ تعالی ہمیں اور آپ کو اس بلند مرتبہ اور شریف گروہ کی محبت
عطا فرمائے۔ (آمین) (دفتر اول مکتوب ۱۵۷)

تشریح

بڑے بڑے علماء وفضلا کا یہی تجربہ ہے کہ زندگی بھر کے علم اور تلاش وتحقیق
کے باوجود نفسی قوتوں کا ادراک حاصل نہ ہوسکا اور علمی حجابات، معرفت نفس اور
معرفت رب کی راہ میں حائل رہے۔ جوں ہی قلب میں معرفت کی حقیقی طلب پیدا
ہوئی اور کسی اللہ والے تک رسائی حاصل ہوئی تو قلب میں نور معرفت کا ایسا چراغ
جلنا شروع ہوا کہ محسوس ہوا کہ حقیقی زندگی تو اب حاصل ہوئی ہے، یہ اللہ کی سنت ہے
کہ کسی حقیقی اللہ والے کے سامنے خودسپردگی کے بعد ہی اصلاح نفس کی حقیقی صورت
پیدا ہوتی ہے، باطنی بیماریوں کا علاج ہونا شروع ہوتا ہے۔ انسانی جوہروں سے بہرہ

وری ہوتی ہے، نیز محبوب کے وصال کی صورت پیدا ہوتی ہے۔ مرتب)

مبتدی ومنتہی کے وسوسوں وخطرات کی نوعیت

درویشوں کی ایک جماعت بیٹھی ہوئی تھی (اتفاق سے) راہ طریقت والوں کے خطرات ووسوسوں کے بارے میں گفتگو شروع ہوئی۔ اسی ضمن میں ایک حدیث کا ذکر آیا کہ ایک روز اصحابِ کرامؓ میں سے بعض نے آں سرور عالم ﷺ کی خدمت میں اپنے بُرے خطرات اور وسوسوں کی شکایت کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''ذالک من کمال الایمانِ'' (یہ ایمان کے کمال میں سے ہے) اس وقت اس حدیث کے معنی اس فقیر کے دل میں اس طرح آئے۔ جب کہ حقیقت حال تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہی زیادہ بہتر جانتا ہے کہ کمالِ ایمان سے مراد کمالِ یقین ہے اور یقین کا کمال قرب کے کمال سے وابستہ ہے، اور قلب اور اس سے اوپر کے لطائف (روح، سر، خفی اور اخفی) کو جس قدر قربِ الٰہی زیادہ حاصل ہوگا، اسی قدر ایمان ویقین بھی زیادہ ہوگا، اور قلب کے ساتھ اس کی بے تعلقی زیادہ ہوجائے گی۔ اس وقت قلب میں خطرات بہت زیادہ ظاہر ہوں گے اور بہت نامناسب وسوسے نمایاں ہوں گے، اس لئے بُرے خطرات ایمان کے کمال کا سبب ہوگا، لہٰذا منتہی کو خطرات جسقدر زیادہ اور نامناسب ہوں گے، اس کی ایمان کی تکمیل اسی قدر زیادہ ہوگی، کیونکہ کمالِ ایمان کا تقاضہ ہے کہ تمام لطائف کو لطیفۂ قلب کے ساتھ کامل بے مناسبتی ہو، اور یہ بے مناسبتی جسقدر زیادہ ہوگی، قلب اسی قدر زیادہ خالی اور ظلمت وکدورت سے زیادہ نزدیک ہوگا اور اس میں خطرات وسوسے اسی قدر زیادہ ہوں گے، بخلاف مبتدی اور متوسط کے کہ ان کے لئے اس قسم کے خطرات زہرِ قاتل اور باطنی مرض کی زیادتی کا ذریعہ ہیں۔ فَلَا تَکُنَنَّ مِنَ الْقَاصِرِیْنَ (پس تو (ہمارے کلام کے سمجھنے میں) قصور کرنے والوں میں سے نہ ہو) یہ معرفت اس فقیر کے دقیق معارف میں سے ہے۔
(مکتوب ۱۸۳ دفتر اول)

تشریح

حضرت مجدد کے بیان کردہ اس نکتہ کو تو صاحبان معرفت ہی صحیح طور پر سمجھ سکتے ہیں۔ البتہ عاجز کی نظر میں اس مکتوب میں منتہی کے جن وسوسوں اور خطرات کا ذکر فرمایا گیا ہے، وہ وسوسے لطیف احساسات کی نوعیت کے ہوتے ہیں، منتہی اللہ سے قرب کے جس مقام پر فائز ہوتا ہے، اس مقام پر اسے معمولی وسوسہ وخطرہ بھی کمال ایمان کے منافی محسوس ہوتا ہے۔ حالانکہ بشری تقاضے ایسے ہوتے ہیں، جو فرد کے ساتھ ہر صورت میں باقی رہتے ہیں، لیکن منتہی کی محبوب حقیقی سے وابستگی اس نوعیت کی ہوتی ہے کہ اس کی چاہت ہوتی ہے کہ شب وروز میں محبوب کے ساتھ غیر کی معمولی شرکت بھی موجود نہ ہو، جب ایسا نہیں ہوتا اور غیروں کے وسوسے کسی حد تک شامل ہوجاتے ہیں تو منتہی شدید اذیت محسوس کرتا ہے۔ اور شدت احساس کی وجہ سے وہ اسے محبوب سے دوئی سمجھنے لگتا ہے۔

منتہی کی یہی ادا محبوب کو پسند ہے۔ جب کہ مبتدی کے وسوسے وخطرات نفس پرستی کی قوتوں کے غلبہ کی وجہ ہوتے ہیں۔ حضرت مجدد نے یہاں جو نکتہ بیان فرمایا ہے، وہ ان کے خاص معارف میں سے ہے۔ مرتب)

قلیل زندگی کو ابدی زندگی کی راحت کے لئے استعمال کرنا

میرے مخدوم! دنیا کی بقا کی مدت بہت قلیل ہے اور اس قلیل میں سے بھی بہت کچھ تلف ہو چکی ہے اور باقی بہت تھوڑی عمر باقی رہ گئی ہے، اور آخرت کی زندگی دائمی ہے، اور دائمی زندگی کو چند روزہ زندگی کے ساتھ وابستہ کر دیا گیا ہے، اس کے بعد یا تو دائمی نعمتیں ہیں یا ہمیشہ کا عذاب۔ مخبر صادق (علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو خبر دی ہے (وہ سچ ہے) اس میں کسی احتمال کی کوئی گنجایش نہیں، لہٰذا عقل دوراندیش سے کام لینا چاہئے۔

میرے مخدوم! عمر کا بہترین حصہ ہواؤ ہوس میں گذر گیا اور وہ اللہ جل شانہ کے دشمنوں (نفس وشیطان) کی مرضی کے مطابق بسر ہوگیا، اب عمر کا نکما حصہ باقی رہ گیا ہے، اگر آج ہم اس کو بھی اللہ تعالی کی مرضیات کے مطابق صرف نہ کریں اور بہترین عمر کی غفلتوں کا تدارک باقی نکمی وضعیف عمر (میں عبادات) سے نہ کریں اور تھوڑی سی محنت اور تکلیف کو دائمی راحت کا ذریعہ نہ بنائیں اور تھوڑی سی نیکیوں سے بہت سے گناہوں کا کفارہ نہ کریں تو کل قیامت میں حق سبحانہ وتعالی کے حضور میں کس منہ سے پیش ہوں گے اور اس کے سامنے کون سے حیلے اور بہانے کو پیش کریں گے، آخر خواب خرگوش میں کب تک پڑے رہیں گے اور غفلت کی روئی کب تک کانوں میں ٹھسی رہے گی، آخر ایک دن آنکھوں سے پردہ اُٹھا دیا جائے گا اور غفلت کی روئی کو کانوں سے دُور کر دیا جائے گا، لیکن اس وقت کوئی فائدہ نہ ہوگا اور حسرت وندامت کے علاوہ کچھ حاصل نہ ہوگا۔موت کے آنے سے پہلے ہی تیاری کرلینی چاہئے اور ''وائے شوق'' کہتے ہوئے جان دینی چاہئے۔ (مکتوب ۲۱۰)

تشریح

آخرت کی دائمی زندگی کی بہتری سے غفلت اور دنیا میں انہاک، یہ انسان کا سب سے بڑا المیہ ہے۔ دولت ودنیا انسانی نفسیات میں اس طرح رچ بس گئی ہے کہ عام طور پر بڑے سے بڑا واقعہ بھی فرد وافراد کو اس غفلت سے نکال کر آخرت کی تیاری کی طرف لانے کا ذریعہ نہیں بنتا۔ اہل اللہ، افراد کو ہر طرح سے جھنجھوڑنے اور بیدار کرنے کے لئے کوشاں ہوتے ہیں۔ اس مکتوب میں بھی اس سلسلہ میں ہمیں مؤثر طور پر جھنجھوڑنے کی کوشش فرمائی گئی ہے۔ مرتب)

غیبی صورتوں وشکلوں کے مشاہدہ
کا لہو ولعب میں شامل ہونا

سب سے پہلے عقائد کا درست کرنا ضروری ہے، دین کی ضروریات کے بارے میں جو کچھ امت کے تواتر کے ساتھ معلوم ہوا ہے اس کی تصدیق کے بغیر

چارہ کار نہیں ہے، دوسرے ان باتوں کا علم ضروری ہے، جن کا تعلق علم فقہ سے ہے اور تیسرے طریقۂ راہ سلوک بھی ضروری ہے، لیکن اس غرض کے لئے نہیں کہ غیبی صورتیں اور شکلیں مشاہدہ ہوں اور طرح طرح کے انوار اور رنگوں کا معائنہ ہو، کیونکہ یہ سب لہو ولعب میں داخل ہیں کیا حسی صورتیں اور انوار کم ہیں کہ کوئی شخص ان کو چھوڑ کر ریاضتوں اور مجاہدوں کے ذریعے غیبی صورتوں اور انوار کی ہوس کرے، حالانکہ یہ (حسی) صورتیں اور انوار اور وہ (غیبی) صورتیں اور انوار، دونوں حق سبحانہ وتعالی کی مخلوق ہیں اور وہ حق تعالی کے صانع ہونے پر روشن دلیلیں ہیں، سورج اور چاند کا نور جو کہ عالم مشاہدہ سے ہے اور طرح طرح کے ان انوار سے مزین ہے، جو عالم مثال میں نظر آتا ہے، اس سے کئی درجے افضل ہے، لیکن چونکہ یہ (سورج اور چاند کے نور کا) دیکھنا دائمی ہے اور خاص وعام سب اس (کے دیکھنے) میں شریک ہیں، اس لئے اس کو نظر اعتبار سے گرا کر انوارِ غیبی کی خواہش میں لگ جاتے ہیں۔

آبے کہ رودپیشِ درت تیرہ نماید (تمہارے در پہ جو پانی بہے سیاہ نہیں)
(مکتوب ۲۱۰)

تشریح

غیبی صورتوں کی آرزو کرنا، انہیں اہم سمجھنا، اپنے حلقہ سے وابستہ افراد کی انہی خطوط پر تربیت کرنا، انہیں بزرگی کا معیار قرار دینا، ہر مجلس میں ہرا پھرا کر اپنی یا اپنے بزرگوں کی ان چیزوں کا ذکر کرتے رہنا، اس مکتوب میں ان ساری چیزوں کی نفی کی گئی ہے۔ مرتب)

اصل مقصود شریعت ہے
احوال وکیفیات کوئی حیثیت نہیں رکھتے

اور اس فقیر کا یقین ہے کہ تصوف، حقیقت میں علوم شرعیہ کا خادم ہے، نہ کہ

شریعت کے خلاف کوئی چیز (میں نے) اپنے رسائل وکتابوں میں اس کی تحقیق لکھی ہے، شریعت میں کامل عمل کو حاصل کرنے کے لئے نقشبندیہ کا طریقہ اختیار کرنا دوسرے طریقوں سے زیادہ بہتر ہے، کیونکہ ان بزرگوں نے سنت کی متابعت کو اپنے اوپر لازم کیا ہے اور بدعت سے بچنے پر زور ہے، یہی وجہ ہے کہ اگر ان کو متابعت کی دولت حاصل ہوجائے اور احوال کچھ بھی حاصل نہ ہوں تو خوش ہیں، اور اگر احوال حاصل ہونے کے باوجود اتباع میں کمی ہو تو یہ احوال ان کی نظر میں ناپسندیدہ ہیں۔

حضرت خواجہ احرار قدس اللہ تعالیٰ سرہ نے فرمایا ہے کہ ''اگر سارے احوال وکیفیات ہمیں دیدیئے جائیں اور ہماری حقیقت کو اہلِ سنت وجماعت کے اعتقادات سے نہ نوازیں تو ہمارے لئے خرابی کے سوا کچھ نہیں، اور اگر اہل سنت وجماعت کے اعتقادات ہمیں عطا کردیئے جائیں اور حال واحوال سے ہمیں کچھ نہ ملے تو اس صورت میں کچھ غم نہیں ہے۔'' (ایضا)

تشریح

نقشبندی سلسلہ کے امام کا بیان کردہ یہ نکتہ کہ کیفیات، اور کشف وغیرہ اعمال میں استقامت کے مقابلہ میں کسی اہمیت کے حامل نہیں ہیں، اصل چیز اعمال صالحہ کی استعداد کا حاصل ہونا ہے، اگر یہ نہیں ہے تو چاہے کشف وکیفیات کتنی ہی حاصل ہو، لاحاصل ہے۔ اتباع سنت اور اعمال صالحہ کی فکر دامنگیر ہونی چاہئے۔ مریدوں کی ذہن سازی میں بھی کیفیات، کشف اور خوابوں کی بجائے اعمال صالحہ کو اہمیت دینی چاہے، ورنہ تصوف، شریعت سے جداگانہ حیثیت اختیار کرکے، کیفیات اور کشف وغیرہ کا نام بن کر رہ جائے گا۔ صدیوں سے جاہل صوفیوں نے شریعت کے مقابلہ میں اس طرح کے تصوف، جس میں اسلامی پابندی نہ ہو، محض کیفیات اور مشاہدے وغیرہ کی باتیں ہوں، ان کو فروغ دیا ہے۔ اکابر اہل اللہ نے صوفیائے خام کی ان کوششوں کو ہر دور میں ناکام بنایا ہے۔ مرتب)

قیمتی وقت کا ضیاع
دونوں جہانوں کی حسرت کا موجب ہونا

مبارک ہے، وہ شخص جس کو حق سبحانہ وتعالیٰ نے نیکی کا مظہر بنایا، حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ نے دنیا کو آخرت کی کھیتی قرار دیا ہے، وہ شخص بہت ہی بدنصیب ہے، جو سب کا سب بیج کھا جائے اور استعداد کی زمین میں نہ ڈالے، اور ایک دانے سے سات سو دانے نہ بنائے اور قیامت کے دن کے لئے (جس دن) بھائی بھائی سے بھاگے گا اور ماں بیٹے کی خبر نہ لے گی، کچھ ذخیرہ نہ کرے، ایسے شخص کو دنیا وآخرت کے خسارہ کے علاوہ کچھ حاصل نہیں اور دونوں جہانوں کی حسرت وشرمندگی کے سوا کچھ فائدہ نہیں، نیک بخت، دنیا کی فرصت کو غنیمت سمجھتے ہیں، اس غرض کے لئے نہیں کہ اس مہلت زندگی میں مختلف نعمتیں اور لذتیں حاصل ہوں جو غیرمعمولی تکلیفوں اور محنتوں سے حاصل ہونے کے باوجود ناپائیدار اور فانی ہیں، بلکہ اس فرصت میں (نیکی کی) کھیتی کا کام کرنا چاہئے اور نیک عمل کے ایک دانے سے آیت کریمہ۔ وَاللّٰہُ یُضَاعِفُ لِمَن یَشَاءُ (بقرہ۲ آیت۲۶۱) (اور اللہ تعالیٰ کئی گنا بڑھا دیتا ہے جس کے لئے وہ چاہتا ہے) کے بموجب بے انتہا نیکیوں کے ثمرات حاصل کرنے چاہئے یہی وجہ ہے کہ چندروزہ نیک اعمال کی جزامیں دائمی نعمتیں مقرر فرمادی ہیں۔ وَاللّٰہُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْم. (جمعہ۶۲ آیت۴) (اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے)۔ (مکتوب۲۱۴)

بزرگی کا کمال کشف
وغیرہ سے وابستہ نہیں

ولایت سے مراد فنا وبقا ہے، اور کرامتیں اور کشف خواہ کم ہو یا زیادہ، وہ فنا وبقا کے لوازم میں سے ہیں۔ لیکن یہ ضروری نہیں کہ جس سے کرامتیں زیادہ ظاہر ہوں، اس کی ولایت بھی تمام وکامل ہو، بلکہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ (کسی بزرگ سے) کرامتیں بہت کم ظاہر ہوتی ہیں، جب کہ اس کی ولایت اکمل ہوتی ہے اور

کرامتوں کے بکثرت ظاہر ہونے کا مدار دو چیزوں پر ہے: عروج کے وقت میں بہت زیادہ عروج کرنا، اور نزول کے وقت میں بہت کم نیچے اُترنا۔ بلکہ کثرتِ کرامات کے ظہور میں کلیہ قاعدہ بہت کم نزول کرنا ہے، خواہ وہ عروج کی جانب کسی بھی کیفیت سے ہو، کیونکہ صاحب نزول، عالمِ اسباب میں اُترتا ہے اور وہ اشیاء کے وجود کو اسباب سے وابستہ پاتا ہے اور مسبب الاسباب کے فعل کو اسباب کے پردے کے پیچھے دیکھتا ہے۔ جس شخص نے نزول نہیں کیا اور نزول کے اسباب تک نہیں پہنچا، اس کی نظر صرف مسبب الاسباب کے فعل پر ہے، کیونکہ (مسبب الاسباب کے فعل پر اس کی نظر ہونے کے باعث) اس کی نظر سے سارے اسباب اُٹھ گئے ہیں، پس حق سبحانہ وتعالیٰ ان میں سے ہر ایک کے ساتھ اس کے ظن کے مطابق معاملہ کرتا ہے۔ اسباب کو دیکھنے والے کا کام اسباب پر ڈال دیتا ہے اور جو اسباب کو نہیں دیکھتا، اس کا کام بغیر وسیلے کے مہیا کر دیتا ہے۔ حدیث قدسی انا عند ظن عبدی بی اس مطلب پر دلیل ہے۔ (مکتوب ۲۱۶)

تشریح

اس مکتوب میں یہ بات بتائی گئی کہ جس سے زیادہ کرامتیں صادر ہوں، وہ ہر صورت میں کامل وتمام بزرگ نہیں ہوتا، بلکہ بعض اوقات وہ منتہی صوفی کامل ہوتا ہے جس سے کرامتیں بہت کم صادر ہوتی ہیں۔ زیادہ کرامتوں کے صدور کا ایک سبب یہ بھی بیان فرمایا گیا ہے کہ عروج کے وقت میں بہت عروج کرنا اور نزول کے وقت میں کم نزول کرنا ہے۔ یعنی صوفی پر حالت استغراق اتنی غالب ہوکہ حالت صحو میں آنے کے باوجود استغراق کے اثرات غالب ہوں، اس استغراق کی وجہ سے ان سے عقل سے ماوریٰ چیزیں اور کرامات وغیرہ صادر ہوتی ہیں، اہل اللہ کی کرامات حق ہیں۔ اللہ نے بڑے بڑے بزرگوں کی روحوں سے بڑا کام لیا ہے۔ لیکن ان چیزوں کا مقصود سے تعلق نہیں، مقصود، دین پر استقامت کا حاصل ہونا ہے۔ مرتب)

خواجہ حسن بصری
اور حبیب عجمی قدس سرہما کا معاملہ

خواجہ حسن بصری اور حبیب عجمی قدس سرہما کی حکایت اس مقام کے مناسب ہے: منقول ہے کہ ایک روز خواجہ حسن بصریؒ دریا کے کنارے کھڑے ہوئے کشتی کا انتظار کر رہے تھے، تاکہ دریا سے پار ہوں، اسی اثنا میں حبیب عجمیؒ بھی آ نکلے اور پوچھا کہ آپ یہاں کیوں کھڑے ہیں؟ فرمایا، کشتی کا انتظار ہے، حبیب عجمیؒ نے کہا، کشتی کی کیا حاجت ہے، کیا آپ کو یقین نہیں ہے؟ خواجہ حسن بصریؒ نے کہا، کیا آپ کو علم نہیں ہے۔ غرض کہ حبیب عجمیؒ کشتی کے بغیر دریا سے گذر گئے اور خواجہ حسن بصری کشتی کے انتظار میں کھڑے رہے، خواجہ حسن بصریؒ نے چونکہ عالمِ اسباب میں نزول کیا ہوا تھا، اس لئے (کارکنانِ قضا وقدر) ان کے ساتھ اسباب کے وسیلے سے معاملہ فرماتے تھے، اور حبیب عجمیؒ نے چونکہ پورے طور پر اسباب کو نظر انداز کر دیا تھا، اس لئے کارکنانِ قضا وقدر کا ان کے ساتھ اسباب کے بغیر معاملہ تھا۔ لیکن فضیلت حضرت خواجہ حسن بصریؒ کے لئے ہے، جو صاحب علم ہیں اور جنہوں نے عین الیقین کو علم الیقین کے ساتھ جمع کر لیا ہے اور اشیا کو جیسی کہ وہ ہیں سمجھ لیا ہے اس لئے کہ قدرت کی اصل حقیقت کو حکمت میں پوشیدہ رکھا گیا ہے، حبیب عجمیؒ صاحب سکر ہیں اور فاعل حقیقی پر ایک ایسا یقین رکھتے ہیں، جس میں اسباب کا کچھ دخل نہیں ہے۔ (مکتوب ۲۱۶)

تشریح

اس مکتوب میں ایک اہم نکتہ بیان فرمایا گیا ہے، وہ یہ کہ متوسط صوفی یا حالت استغراق کا حامل صوفی چونکہ نفس سے حجابات ہٹا کر محبوب سے قرب کے مقامات طے کرنے کی راہ پر گامزن ہوتا ہے، نیز اسے محبوب کی فکر کے علاوہ کوئی فکر دامنگیر نہیں ہوتی، ذکر ہی اس کا وظیفہ حیات ہوجاتا ہے، اس لئے حالت سکر کے حامل صوفی سے

اسباب کے پردے ہٹا دیئے جاتے ہیں، دنیا کے حوالے سے اس کے ضروری کام ظاہری اسباب کے بغیر ہی کرا دیئے جاتے ہیں، جو صوفی شب و روز محبوب کے غم وفکر میں غلطاں ہو، اور محبوب کے وصال کے لئے تڑپنے کے لئے علاوہ اس کی کوئی مصروفیت نہ ہو، ایسے صوفی کو اسباب سے ماورئی کرنا، یہ محبوب کی خاص ادا ہے، جو لگ بھگ ہر مستغرق صوفی کے ساتھ ہوتی ہے۔ اس کی روزی کا خصوصی اہتمام ہوتا ہے، اس کے وقت وعلم میں برکت ہوتی ہے۔ مرتب)

اولیاء کی صورتوں کا سامنے آنا اور اس کی نوعیت

یہاں ایک نکتہ ہے، جس کو ذہن نشین کرنا نہایت ضروری ہے، وہ یہ ہے کہ جس طرح ولایت حاصل ہونے میں ولی کو اپنی ولایت کا علم ہونا شرط نہیں ہے، بلکہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ لوگ کسی ولی سے اس کرامتیں نقل کرتے ہیں (حالانکہ اس کو ان کرامتوں کی نسبت بالکل اطلاع نہیں ہوتی اور وہ اولیاء، جو صاحب علم وکشف ہیں، ہوسکتا ہے کہ ان کو بھی اپنی بعض کرامتوں پر اطلاع حاصل نہ ہو، بلکہ ان کی مثالی صورتوں کو کارکنان قضا وقدر متعدد مقامات پر ظاہر کردیں اور دور دراز مقامات پر عجیب وغریب چیزیں اُن کی صورتوں سے ظہور میں لائیں کہ جن کی ان صاحبِ صورت (اولیاء کو) ہرگز اطلاع نہ ہو۔

ازما وشما بہانہ برساختہ اند (بہانہ ہم سے تم سے ہے بنایا)

حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ فرمایا کرتے تھے کہ ایک بزرگ کہتے تھے کہ عجیب معاملہ ہے کہ لوگ اطراف وجوانب سے (میرے پاس) آتے ہیں، بعض کہتے ہیں کہ ہم نے آپ کو حج کے موقعہ پر مکہ معظمہ میں دیکھا ہے بلکہ ہم نے آپ کے ساتھ مل کر حج کیا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ ہم نے آپ کو بغداد میں دیکھا تھا اور اپنی دوستی کا اظہار کرتے ہیں، حالانکہ میں اپنے گھر سے باہر نہیں نکلا ہوں اور نہ ہی کبھی ان لوگوں کو دیکھا ہے۔ کتنی بڑی تہمت ہے، جو ناحق مجھ پر لگاتے ہیں۔ واللہ

اعلم بحقائق الامور کلها (سب کاموں کی حقیقت اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں) اس سے زیادہ لکھنا طول کلامی ہے۔ ہاں، اگر آپ کی طلب اور پیاس زیادہ معلوم ہوئی تو بہت جلد اور اس سے زیادہ لکھا جائے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ (مکتوب ۲۱۷)

غیروں سے آزادی کے بغیر فنا کے مقام کا حاصل نہ ہونا

اللہ کا شکر ہے کہ وہ اپنے طالبوں کو اپنی طلب میں بیقرار و بے آرام رکھتا ہے اور اس بے آرامی میں اس آرام سے نجات بخشتا ہے، جو اس کے غیر کے ساتھ میسر ہو۔ مگر (سالک کو) پوری آزادی، اس وقت حاصل ہوتی ہے جب فنائے کلی کی غلامی سے آزادی حاصل ہو، اور وہ دل کے آئینہ سے اللہ کے ماسویٰ کے نقوش بالکل محو کردے کسی چیز سے بھی علمی وجہی، تعلق نہ رہے، اور سوائے اللہ تعالیٰ کے اس کا کوئی مقصود ومطلوب نہ ہو۔ اس کے بغیر ایسا ہے، جیسا کہ خاردار درخت میں الجھنا۔ فرد اگرچہ غیروں سے اپنی بے تعلقی کا گمان رکھے، مگر محض اس پر گمان ہے، اس کا حقیقت سے تعلق نہیں۔

ایں کارِ دولت است کنوں تا کرا رسد

(جو شخص احوال ومقامات میں گرفتار ہے، وہ بھی ''گرفتار غیر'' ہے، اور باتوں کا تو ذکر ہی کیا ہے)۔ (مکتوب ۵۳ دفتر اول)

تشریح

اس مکتوب میں راہ سلوک کا اہم اصول بیان کیا گیا ہے، وہ یہ کہ جب تک قلب سے دنیا کے حوالے سے سارے نقوش محو نہ ہوجائیں اور اللہ کی محبت کا رنگ پوری طرح غالب آکر، نفس کی قوتوں کو فنا نہ کردے، اس وقت تک سالک کا کام تمام نہیں ہوتا اور اس کا سلوک طے نہیں ہوتا، نیز اس کی نفسی قوتوں کی سرکشی موجود رہتی ہے۔ فنا کے اس مقام تک رسائی کے لئے دل اور ذہن سے سارے نقوش کو

مٹا کر، مکمل طور پر یکسو ہونا، اور ذکر سے اپنے رشتہ کو مستحکم کرنا اور ہمہ وقت محبوب حقیقی کی طرف متوجہ رہنا ضروری ہے، دوسری صورت میں طالب، حالت فنا میں غوطہ زن رہے گا اور اس کے لئے حالت بقا میں آنا ممکن نہ ہوگا اور حالت بقا میں آئے بغیر طالب دوسروں کی تربیت کا کام ہاتھ میں نہیں لے سکتا۔

یہ اصول انہی سالکوں کے ساتھ لاگو ہے، جن سے اللہ کو دوسروں کی تربیت کا کام لینا مقصود ہے اور عام افراد پر یہ اصول لاگو نہیں ہوتا، ان کے لئے روزانہ ایک ڈیڑھ گھنٹے کا ذکر اور صحبت کا اہتمام کافی ہے، ایک عرصہ تک اس اہتمام سے ان شاء اللہ ان کی بہتر اصلاح کی صورت پیدا ہوجائے گی۔اگرچہ وہ دوسروں کی تربیت کے مقام پر فائز نہ ہوسکیں گے، اس لئے کہ اس مقام پر فائز ہونے کے لئے عبوری عرصہ کے لئے (یہ عبوری عرصہ بعض طالبوں کے لئے پندرہ بیس سال تک کا ہوتا ہے) سالکوں کو سارے کاموں سے یکسو ہو کر مجاہدوں میں مصروف ہونا پڑتا ہے۔ اس کے بغیر فرد وافراد کو نفس پرستی کی قوتوں کا نہ تو مشاہدہ ہوتا ہے اور نہ ہی ان کے مکر وفریب سے پوری طرح بچاؤ کی صورت پیدا ہوتی ہے۔

حضرت مجدد کا بیان کردہ یہ اصولی نکتہ ایسا ہے، جس پر سارے سلسلوں کے اکابر بزرگوں کا اجماع ہے، سارے اکابر بزرگ، فنا کے ان حالات سے گذر کر ہی حالت بقا میں آئے ہیں۔ موجودہ دور میں اکابر بزرگوں کے اس بنیادی اصول کو نظر انداز کرکے،خلافتیں عطا فرمانے کا جو رجحان بڑھا ہے، اس نے تصوف واہل تصوف سے اس کی روح نکال دی ہے، اس لئے کہ فنا کے ان مقامات سے گذرے بغیر نہ تو حب جاہ وحب مال اور خودنمائی جیسے جذبات وتقاضوں کی تہذیب ہوسکتی ہے اور نہ ہی انسانیت کے آداب سے بہرہ وری ہوسکتی ہے۔ مرتب)

جو مقام فنا تک نہ پہنچا
اس کا مصیبت زدہ ہونا

اگرچہ رنج ومصیبتیں بظاہر تلخ اور جسم کو تکلیف دینے والی ہوتی ہیں، لیکن باطن

شیریں اور روح کے لئے لذت بخش ہیں۔ جسم وروح آپس میں ایک دوسرے کی مخالف اور ضد ہیں، ایک کی تکلیف دوسرے کے لیے لذت ہوتی ہے۔ جو پست فطرت افراد ان دونوں ضدوں اور ان کی ضروریات میں تمیز نہیں کر سکتے، وہ بحث سے خارج ہیں اور گفتگو کے لائق نہیں ہے۔ أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ (یہ لوگ چوپاؤں کی مانند ہیں، بلکہ ان سے بھی زیادہ گئے گذرے)۔

آ کہ از خویشتن چونیست جنیں　　　چہ خبردار داز چناں وچنیں

(جو بچہ ابھی اپنی ماں کے پیٹ میں ہے اور اپنے وجود سے بھی واقف نہیں ہے وہ چناں اور چنیں کو کیا جانے؟)

جس کی روح نیچے اتر کر مرتبۂ جسم میں آجائے، وہ اس نکتہ کو کیا سمجھ سکے گا، جب تک روح اپنے اصلی ٹھکانے کی طرف رجوع نہ ہو، اس وقت تک معرفت کا جمال جلوہ گر نہ ہوگا۔ یہ دولت، اس موت کے ساتھ وابستہ ہے، جو جسمانی موت کے آنے سے پہلے واقع ہوتی ہے۔ مشائخِ طریقت اس حالت کو فنا سے تعبیر کرتے ہیں۔

خاک شوخاک تابروید گل　　　کہ بجز خاک نیست مظہر کل

(تو خاک ہوجا، خاک، تاکہ پھول پیدا ہوں، خاک کے علاوہ کوئی چیز مظہر کل نہیں ہے۔)

اور جو مرنے سے پہلے فنا کے مقام تک نہ پہونچا، اس کو مصیبت زدہ سمجھنا چاہئے اور اس کی ماتم پرسی کرنا چاہئے ...... (چند سطور کے بعد لکھتے ہیں) نصیحت یہ ہے کہ ذکر ہمیشہ کرتے رہو، فکر (دین) کو لازم رکھو۔ مہلت تھوڑی سی ہے، بہتر ہے کہ اس کو ضروری کاموں میں صرف کیا جائے۔ (مکتوب ۱۵۹ دفتر اول بنام شرف الدین حسین)

تشریح

اس مکتوب میں جو نکتہ بیان ہوا ہے وہ بہت اہم ہے۔وہ نکتہ یہ ہے کہ جو

مرنے سے پہلے مقام فنا تک نہ پہنچا، وہ قابل رحم ہے، اس کی ماتم پرسی کرنی چاہئے، اس لئے کہ ایسا شخص خواہشات نفس سے بچ سکے، مشکل ہے۔ اس پر نفس پرستی کی قوتیں یکے بعد دیگرے حملہ آور ہوتی رہتی ہیں اور وہ جنگل نفس میں موجود درندوں کا شکار رہتا ہے اورغم روزگار اور مسائل دنیا کے تفکرات سے اسے نجات ملنا ممکن نہیں۔

حالت بقا میں آئے بغیر، نفس پر روح کی لطافتیں غالب نہیں آسکتی۔ روح کی حیات، نفسی قوتوں کی موت (جسے اصطلاح میں فنا کہتے ہیں) سے وابستہ ہے، فنا کا یہ مقام ذکر کے مسلسل اہتمام کے ذریعہ، قلب کو رگڑتے رہنے اور اللہ کے انوار حسن سے سرشار کرتے رہنے سے ہی حاصل ہوسکتا ہے، اس فنا کے مقام تک رسائی سے پہلے سالک کا قلب مدوجزر اور بے پناہ تغیرات کی زد میں رہتا ہے، اور نفس پرستی کی قوتوں کے مسلسل حملوں سے آئے دن اس پر ماتم کا حشر برپا رہتا ہے۔ اکابر بزرگوں کے ہاں فنائے نفس کے ان سارے مراحل سے گذرے بغیر خلافت دینے کا تصور بھی نہیں تھا۔ مرتب)

خدا سے دوری کی صورت میں
نعمتوں کا آزمائش ہونا

(اللہ نے ان کفار پر ظلم نہیں کیا، وہ ہی اپنے نفسوں پر ظلم کرتے ہیں)۔ سورج کی گرمی دھوبی اور کپڑے پر یکساں پڑتی ہے، لیکن دھوبی کا چہرہ سیاہ اور کپڑا سفید ہوجاتا ہے۔ عدم قبول اس بنا پر ہوتا ہے کہ اللہ کی بارگاہ سے دوری ہے، اور جو دوری واعراض اختیار کرتا ہے اس کے لیے نعمت سے محرومی ضروری ہے۔ اس موقع پر کوئی یہ نہ کہہ بیٹھے کہ بہت سے بغاوت کرنے والے ایسے ہیں کہ وہ دنیاوی نعمتوں سے بہرہ ور ہیں اور ان کی یہ بغاوت، نعمتوں سے محرومی کا سبب نہیں ہے، واضح رہے کہ یہ ایک قسم کا عذاب ہے، جونعمت کی صورت میں استدراج کے طور پر ظاہر کیا جاتا ہے (اعراض کرنے والے کی تباہی کے لیے) تاکہ وہ انکار وضلالت میں برابر منہمک رہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: أَيَحْسَبُونَ أَنَّمَا نُمِدُّهُم بِهِ مِن مَّالٍ وَبَنِينَ نُسَارِعُ لَهُمْ فِي الْخَيْرَاتِ بَل لَّا يَشْعُرُونَ (کیا وہ منکرین یہ سمجھتے ہیں کہ ہم جو کچھ ان کو دئے جارہے

ہیں مال اور اولاد سے تو ان کے حق میں اچھائی کررہے ہیں بلکہ وہ جانتے ہی نہیں)۔ پس دنیا اور دنیا کی نعمتیں خدا سے دوری کے ہوتے ہوئے خرابی اور بربادی ہیں۔ الحذر، الحذر۔ (مکتوب ۱۲۴ اول بنام حافظ بہاؤ الدین)

تشریح

مال ومناصب کے ذریعہ سب سے بڑی آزمائش یہ ہوتی ہے کہ ایک تو مال ومناصب کی مصروفیات، ذکر وعبادت سے غافل کرنے کا ذریعہ بنتی ہیں۔ دوسرے یہ کہ اس سے حب مال وحب جاہ پیدا ہونے کے خطرات لاحق ہوجاتے ہیں۔ جب دولت ومناصب سے یہ صورتحال پیدا ہو تو سمجھنا چاہئے کہ فرد وافراد کے لئے یہ نعمتیں آزمائش کا موجب ہیں، انسانی نفسیات اور معاشرہ کا جائزہ لیں تو معلوم ہوگا کہ دنیا کی نعمتوں کا راستہ کھلنے اور دولت کے دروازے وا ہونے کے بعد بہت کم افراد ہیں جو شکر گذاری کا راستہ اختیار کرتے ہیں۔ اس طرح دولت اور دنیاوی نعمتیں عام طور پر افراد کے لئے آزمائش کی صورت اختیار کرلیتی ہیں۔ مرتب)

کمال محبت کی علامت
شریعت کے مخالفوں سے عداوت کا ہونا

اللہ تعالیٰ آپ کو نبی امی ﷺ کی میراث معنوی سے مشرف کرے، جیسا کہ اس نے ظاہری میراث صوری عطا فرمائی ہے۔ آنحضرت ﷺ کی میراث صوری عالمِ خلق سے تعلق رکھتی ہے اور میراث معنوی عالمِ امر سے ہے، کہ وہاں سراسر ایمان ومعرفت اور رشدہدایت ہے، ظاہری میراث کی نعمت عظمیٰ کا شکر، یہ ہے کہ حقیقی میراث سے مزین ہوجائیں، اور حقیقی میراث سے مزین ہونا کمالِ اتباعِ مصطفویؐ کے بغیر میسر نہیں ہوسکتا، لہٰذا آپ پر اتباعِ رسولؐ اور اطاعتِ رسولؐ اوامرونواہی لازم وواجب ہے۔ کمالِ اتباع، کمالِ محبت آنحضرت ﷺ کی فرع ہے۔ ان المحب لمن هواه مطع۔ (محبّ جس سے محبت کرتا ہے اس کا تابع ہوتا ہے) اور کمال محبت کی علامت یہ ہے کہ آنحضور ﷺ کے دشمنوں سے کمالِ بغض اور مخالفانِ شریعت سے

اظہار عداوت ہو۔ محبت میں سُستی کی کوئی گنجائش نہیں۔ مُحب، محبوب کا دیوانہ ہوتا ہے۔ محبوب کی مخالفت کی تاب نہیں رکھتا، اور وہ محبوب کے مخالفوں سے کسی طرح صلح نہیں کرتا۔ دو مخالف محبتیں جمع نہیں ہوسکتیں۔ جمع ضدین کو محال کہا گیا ہے۔ اچھی طرح غور کرنا چاہئے۔ ابھی کام ہاتھ سے نہیں گیا ہے۔ گذرے ہوئے زمانہ کی تلافی کی جا سکتی ہے۔ کل کو جبکہ کام ہاتھ سے جاتا رہے گا سوائے ندامت کے کچھ حاصل نہ ہوگا۔

بوقتِ صبح شود ہمچو روز معلومت　　　کہ باکہ باختۂ عشق درشب دیجور

(دنیا، کا مال ومتاع فریب در فریب ہے اور معاملہ آخری ابدی اسی پر مرتب ہے)۔

اگر یہ چند روزہ زندگی سید اولین وآخرینﷺ کی متابعت میں بسر کی جائے تو ابدی زندگی میں نجات کی امید ہے، ورنہ کوئی بھی عملِ خیر ہو، ان کی متابعت کے بغیر وہ ہیچ در ہیچ ہے۔

محمد عربیؐ کابروئے ہر دوسرا ست　　　کسے کہ خاک درش نیست خاک برسراو

(حضرت محمدﷺ جو کہ دونوں جہاں کیلئے سرمایۂ آبرو ہیں، اگر کوئی ان کے در کی خاک نہیں ہوا تو اس کے سر پر خاک۔)

اطاعت رسولؐ کی دولتِ عظمٰی کا حصول، دنیا کو کلیۃ ترک کردینے پر وابستہ نہیں ہے کہ دشوار معلوم ہو۔ بلکہ اگر زکوٰۃ ادا کی جاتی ہے تو یہ بھی عدم وصول مضرت کے لحاظ سے ترکِ کُل ہی کا حکم رکھتی ہے۔ اس لیے کہ جس مال کی زکوٰۃ دے دی گئی ہے، وہ مال ضرر ونقصان سے نکل گیا۔ پس مالِ دنیاوی کے ضرر کا علاج اس مال سے زکوٰۃ کا نکالنا ہے۔ اگرچہ ترکِ کلی اول وافضل ہے، مگر ادائیگی زکوٰۃ بھی کام، ترکِ کلی کاہی کرتی ہے۔

آسماں　نسبت　بعرش　آمد　فرود
ورنہ　بس　عالیست　پیش　خاکِ　تود

(آنحضرتﷺ) تک پہونچاتا ہے یہی ہے
اگر یہ راہ نہ چلی گئی تو ان تک پہنچانا دشوار ہے۔)

کیف　الوصول　الی　سعاد　و　دونہا
قلل　الجبال　و　دونہن　خیوف

(یعنی محبوب تک کس طرح پہنچ ہو، جبکہ اس کی راہ میں پہاڑوں کی چوٹیاں حائل ہیں، اور ان سے پہلے موتیں اور ہولناکیاں ہیں)۔ (مکتوب۱۲۵ دفتر اول بنام شیخ فرید بخاری)

تشریح

اس مکتوب میں اطاعت رسول پر زور ہے اور کمال محبت کی علامت یہ بیان فرمائی گئی ہے کہ آنحضرتﷺ اور دین کے مخالفوں کے بارے میں حساسیت موجود ہو، حمیت دین ہی محبت کی سب سے بڑی علامت ہے اگر حمیت دین نہیں ہے۔ دین کے مٹانے والوں کے خلاف نفرت اور دین کے تحفظ کے لئے فکرمندی موجود نہیں ہے تو یہ محبت کے سراسر منافی ہے، موجودہ دور میں دین اور دینی اقدار کو مٹانے کے لئے عالمی سطح سے لے کر مقامی سطح تک کفر اور سیکولر قوتیں جس طرح کوشاں ہیں، ان کی کوششوں کو ناکام بنانے کی کاوش اور فکرمندی کا نہ ہونا یہ دین کے علمبرداروں کے لئے سخت نازیبا ہے۔ مرتب)

مرض قلبی
کو ذکر کثیر کے ذریعہ دور کرنا

مخدوما! اپنے نفس کے منافع کے لیے کب تک سرگرم رہا جائے گا؟ خود کو اور سب مخلوق کو مردہ اور بے حس وحرکت سمجھنا چاہئے۔ إِنَّكَ مَيِّتٌ وَإِنَّهُم مَّيِّتُونَ (یقیناً آپ اے رسولؐ وصال پائیں گے اور بیشک یہ لوگ بھی انتقال کریں گے)۔ یہ نص قاطع ہے۔

علاوہ ازیں اس تھوڑی سی فرصت میں کثیر ذکر کے ذریعہ قلبی مرض کے دور کرنے کی فکر کرنا اہم مقاصد میں سے ہے۔ جو دل غیر میں گرفتار ہے، اس سے خیر کی کیا توقع ہوسکتی ہے۔ جو روح دنیا کی طرف مائل ہو، اس سے تو نفس امارہ بہتر

ہے۔ اللہ کے یہاں قلب کی سلامتی، قلب اور روح کی نفس سے خلاصی مطلوب ہے۔ اور ہم کوتاہ اندیش سراسر ''روح وقلب کے اسباب گرفتاری کی تحصیل میں مبتلا ہیں۔ ہیہات ہیہات۔ کیا کیا جائے، وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۔ (مکتوب ۱۶۶ دفتر اول بنام مولانا محمد امین)

تشریح

عام طور پر ہر شخص کی حالت یہ ہے کہ وہ زندگی بھر نفس کو آسائشیں فراہم کرنے میں اپنی توانائیاں صرف کرنے لگتا ہے اور ذکر کثیر کے ذریعہ قلبی امراض کے ازالہ کی راہ پر آنے کے لئے تیار ہی نہیں ہوتا، اس دور کا سب سے بڑا المیہ یہی ہے۔ نفس اور مادیت پسندی کی قوتوں سے بلند ہوکر قلب کی سلامتی اور روح کو نفسی قوتوں کی یرغمالی سے نجات دلانے کی فکر نہ ہونے کے برابر ہے، جب کہ دین کی سلامتی اسی کام سے وابستہ ہے۔ مرتب)

اللہ کے حقوق کی تعظیم اور مخلوق خدا پر شفقت

جس طرح فرد کو اوامر ونواہی حق تعالیٰ کی فرمانبرداری ضروری ہے، اسی طرح مخلوق کے حقوق کی ادائیگی کا اہتمام اور مخلوق کے ساتھ غم خواری کرنا بھی ضروری ہے۔ (بعض عارفین کا قول ہے کہ) اللہ کے حکم کی تعظیم ہونی چاہئے، اور مخلوق خدا پر شفقت۔ یہ قول بھی ان دونوں حقوق کی ادائیگی کا بیان ہے اور ان دونوں چیزوں کی رعایت پر دلالت کر رہا ہے۔ پس دونوں میں سے ایک پر انحصار کرنا کوتاہی کی بات ہے اور کُل کو چھوڑ کر جُزو پر اکتفا کرنا ''کمالیت'' کے خلاف ہے۔ لہٰذا مخلوق خدا کے حقوق کو ادا کرنا بھی ضروری ہے، اور مخلوق کے ساتھ حُسن معاشرت بھی لازمی ہے۔ مخلوق سے بے التفاتی اور لاپرواہی مناسب نہیں ہے۔

ہر کہ عاشق شد اگرچہ نازنین عالم است
نازکی کے راست آید بارہا باید کشید

(جو شخص عاشق ہوا، وہ اگرچہ نازنین عالم ہی کیوں نہ ہو، اب ان کے لئے نازک مزاجی درست نہیں ہے، اس کو ناز اٹھانا چاہئے۔) (مکتوب ۱۷۰ دفتر اول بنام شیخ نور)

تشریح

بندوں کے حقوق کی ادائیگی اور خدمت خلق کا کام سب سے بڑی نیکی ہے، وہ جو کہا گیا ہے کہ خدا، عبادت سے نہیں، بلکہ خدمت خلق سے ہی ملتا ہے، اگرچہ یہ بات منتہی صوفیوں کے لئے ہے، تاہم اللہ کی مخلوق کی خدمت اور ان کے کام آتے رہنا، یہ اتنی بڑی نیکی ہے کہ اس کے صدقہ میں اللہ اپنے قرب کے راستے بھی کھول دیتا ہے، اس لئے خدمت کے کاموں کو غیر اہم سمجھنا صحیح نہیں ہے۔ بالخصوص منتہی صوفی کی تو بیشتر ترقی خدمت کے کاموں سے ہی وابستہ ہے۔ مرتب)

بندہ مؤمن کے لئے وظیفہ حیات

ہم فقیروں پر جو باتیں لازم ہیں، وہ حسب ذیل:

(۱) عاجزی وانکساری اور تضرع والتجا۔
(۲) بندگی کے وظائف کی ادائیگی۔
(۳) شرعی حدود کی حفاظت۔
(۴) سنت نبویہ ﷺ کی متابعت۔
(۵) نیت کی تصحیح۔
(۶) باطن کو ما سوی سے آزاد کرنا، اور ظاہر کو اطاعت میں مشغول رکھنا۔
(۷) اپنے عیبوں اور گناہوں کے غلبے کا مشاہدہ۔
(۸) عالم الغیب کے انتقام کا خوف۔
(۹) اپنی نیکیوں کو چاہے، وہ زیادہ ہی زیادہ کیوں نہ ہوں، کم سمجھنا۔
(۱۰) اپنے گناہوں کو چاہے وہ کم کیوں نہ ہوں، زیادہ سمجھنا۔

(۱۱) اپنی شہرت اور مخلوق میں مقبولیت ترساں ولرزاں رہنا۔ آنحضرتﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ: آدمی کی برائی کے لیے یہی کافی ہے کہ اس کی طرف (اس کی شہرت کی بنا پر) انگلیاں اٹھائی جائیں، دین کے بارے میں یا دنیا کے، مگر جس کو اللہ محفوظ رکھے، وہ اس برائی سے محفوظ ہے۔

(۱۲) اپنے افعال اور اپنی نیتوں کو مُتہم کرنا، اگرچہ وہ مثل صبح روشن ہوں۔

(۱۳) اپنے احوال وبزرگی کی طرف توجہ نہ کرنا، اگرچہ وہ صحیح اور مطابق ہی کیوں نہ ہوں۔

(۱۴) محض دین کی تائیدِ، تقویتِ ملت اور ترویجِ شریعت ودعوتِ حق کی کوشش پر بھروسہ نہ کر بیٹھنا، کیونکہ تائیدِ دین کبھی کبھی کافر وفاجر سے بھی ہوجایا کرتی ہے۔ آنحضرتﷺ نے فرمایا ہے: اللہ تعالیٰ (کبھی) فاجر مرد سے بھی اس دین کی تائید کرالیتا ہے۔

(۱۵) جب مرید کی آمد طلب کے ساتھ اور باطن کی چاہت کے ارادے سے ہو، تو اس کے آنے سے انتہائی ڈرنا چاہئے کہ کہیں اس پیری مریدی کے راستے سے اس پیر کی بربادی مقدر نہ ہو اور یہ امر اس کے لیے استدراج نہ ہوجائے۔ اگر بالفرض کسی مرید کی آمد پر خوشی اور سرور محسوس کریں، تو اس خوشی کو کفر وشرک کی طرح بُرا جانیں اور اس کا تدارک ندامت واستغفار سے اس قدر کریں کہ اس خوشی کا اثر باقی نہ رہے، بلکہ اس خوشی کی جگہ خوف وحزن لے لے۔

(۱۶) (اپنے خلفاء کو) اچھی طرح تاکید کریں کہ مرید کے مال اور اس کے دنیوی منافع میں ان کو لالچ نہ پیدا ہونے پائے، کیونکہ یہ بات رشد وہدایت میں رکاوٹ ڈالنے والی ہے اور پیر کے لئے باعثِ خرابی ہے۔ خداوند کریم کے یہاں تو دینِ خالص کا مطالبہ ہے (خود فرماتا ہے) أَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِص (آگاہ ہو کہ اللہ کے لیے خالص عبادت مقصود ہے) اس جناب میں شرک کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

(۱۷) یہ بھی جانیں کہ جو (معمولی) ظلمت وکدورت دل پر طاری ہوتی ہے، اس کا ازالہ، توبہ واستغفار اور ندامت والتجا کے ذریعہ بہترین طریقے پر آسانی سے

ہوسکتا ہے، لیکن جوظلمت وکدورت دنیا کی محبت کے راستے سے دل پر چھا جاتی ہے، وہ دل کو گدلا اور پلید کردیتی ہے، اس کے دور کرنے میں بڑی دشواری پیش آتی ہے۔ آنحضرتﷺ نے سچ فرمایا ہے کہ: ''دنیا کی محبت ہر برائی کی جڑ ہے۔''

اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمہیں کو محبتِ دنیا، اربابِ دنیا کے میل میلاپ سے نجات دے۔ دنیا کی محبت اور ارباب دنیا کی صحبت سمِ قاتل، مرض مہلک، بلائے عظیم اور بیماری عمیم ہے۔ (مکتوب ۱۷۱ دفتر اول بنام ملا طاہر بدخشی)

تشریح

اس مکتوب میں بیان کردہ ہر نکتہ ایسا ہے جو بندہ مؤمن اور اللہ کے طالب کے لئے دستور العمل کی حیثیت رکھتا ہے۔

بالخصوص کچھ نکات تو ایسے ہیں، جو اس دور کے اہل تصوف کے لئے خصوصی اہمیت کے مستحق ہیں۔ ایک یہ کہ بزرگوں کو اپنی طرف اصلاح کی نیت سے آنے والے طالبوں سے خوف زدہ ہونا چاہئے کہ کہیں وہ ان کے لئے ابتلا وآزمائش نہ بن جائیں، اس طرح یہ چیز پیر کی بربادی کا مقدر نہ ہو، حضرت مجدد جیسی ہستی کی طرف سے بزرگی کی مسند پر فائز شخصیت کو یہ انتباہ ایسا ہے، جو آنکھیں کھولنے کے لئے کافی ہے۔ موجودہ دور میں ہماری حالت یہ ہے کہ کوشش ہوتی ہے کہ کسی طرح گھیرگھار کر لوگوں کو لاکر اپنا مرید بنایا جائے۔ اس طرح اپنے مریدوں کے حلقہ کو وسیع سے وسیع تر کیا جائے۔ اگر کوشش کے باوجود لوگوں کا رجوع نہ ہوتو رنجیدگی ہوتی ہے کہ لوگ بیعت ہونے کے لئے تیار ہی نہیں ہیں۔

حضرت مجدد اس طرح کی صورتحال کو پیر کے لئے شدید نقصان دہ سمجھتے ہیں۔ مرید بنانے کی خواہش کا ہونا اور اس کے لئے کاوشوں کا ہونا ہی کوئی خوش گوار بات نہیں، کجا کہ اس پر مسرت وخوشی کا احساس ہو۔

حضرت مجدد کا بیان کردہ یہ نکتہ ایسا ہے، جو ہاتھ میں انگارہ لینے کے مترادف ہے، لوگ اگر ازخود اصلاح کی نیت سے وابستہ ہوجائیں تو بزرگ کو چاہئے کہ وہ اللہ

سے مدد مانگے کہ یا اللہ، میری اپنی اصلاح متاثر ہے، میں اس قابل کہاں ہوں کہ دوسروں کی اصلاح کر سکوں تو اپنے فضل خاص میری بھی اصلاح فرما اور اصلاح کے اس طالب کو بھی اپنی محبت کی دولت عظمیٰ عطا فرما۔

موجودہ دور میں جس پیر صاحب میں توجہ دینے کی صلاحیت موجود ہے یا کچھ باصلاحیت افراد انہیں حاصل ہیں، وہ ان چیزوں کے ذریعہ مال جمع کرنے کے لئے کوشاں ہوتا ہے، چند سالوں کے اندر اندر پیر صاحب گاڑی، بنگلہ اور جائداد کا مالک بن جاتا ہے، یہ عام مشاہدہ کی بات ہے۔ دوسرا نکتہ یہ ہے کہ مرید کے مال پر نگاہ ہرگز نہ ہونی چاہئے، یہ پیر کے دین وایمان کے لئے خطرہ کا موجب ہے۔ بدقسمتی سے موجودہ دور میں بزرگی کو عام طور پر ان دونوں مقاصد کے لئے استعمال کیا جا رہا ہے اور پیری مریدی اور بزرگی اس دور میں دولتمندی اور شہرت کا ذریعہ بن کر رہ گئی ہے۔

اس المیہ پر سوائے تاسف کے اور کیا کیا جا سکتا ہے۔ اس دور میں بہت کم بزرگ ہیں، جو حضرت مجدد جیسے اکابر بزرگ کی تاکید سے کی جانے والی اس نصیحت کو اہمیت دیتے ہوں اور جو اہل دنیا سے تعلقات کو اپنے لئے سم قاتل سمجھتے ہوں، آپ کا بیان کردہ تیسرا اہم نکتہ یہ ہے کہ دنیا کی محبت کے نتیجہ میں دل میں جو کدورت اور ظلمات پیدا ہوتی ہے، وہ آسانی سے دور نہیں ہوتی۔ موجودہ دور میں سرمائیدارانہ نظام کے غلبہ اور اللہ کی مخلوق کے خون پسینہ کی محنت سے خوشحال مادی زندگی کے عام مظاہر ومناظر نے معاشرہ میں ظلمات وکدورت کی فضا کو غیر معمولی طور پر غالب کر دیا ہے۔ اس بڑھتی ہوئی ظلمات وکدورت کے اثرات ہیں کہ دل سے دنیا کی محبت کے اثرات نکلنے نہیں پاتے، حضرت مجدد نے اپنے دور کے حالات کے اعتبار سے یہ بات فرمائی تھی کہ دنیا کی محبت کے نتیجہ میں پیدا ہونے والی ظلمات آسانی سے دور نہیں ہوتی جب کہ موجودہ دور میں دنیا کی محبت کی ظلمات کئی سو گنا زیادہ بڑھ گئی ہے۔ اور اس نے دلوں کو حب مال کے جذبات سے سرشار کر دیا ہے۔ نیز مالداروں کی صحبت سم قاتل اور مہلک مرض ہے۔ حضرت مجدد کے بیان کردہ یہ نکات ایسے

ہیں، جن کی صداقت کا پوری طرح مشاہدہ آج کے دور سے پہلے شاید ہی کبھی ہوا ہو ۔ مرتب)

کشف کی حیثیت

عنداللہ آدھے جَو کے برابر بھی نہیں

صوفیاء کے حالت سکر کے کلمات اور ان کے احوال کیا فائدہ دے سکتے ہیں؟ عنداللہ وجدوحال جب تک شریعت کی ترازو، نہیں تولتے، آدھے پیسے کو نہیں خریدتے اور جب تک کشف والہام کو کتاب وسنت کی کسوٹی پر نہیں پَرکھ لیتے، آدھے جَو کو قبول نہیں کرتے۔ راہ سلوک میں چلنے سے مقصود شرعی عقائد پر کامل یقین کا حاصل کرنا ہے، کہ یہی ایمان کی حقیقت ہے۔ نیز فقہی احکام کی ادائیگی میں سہولت حاصل ہونا بھی مقصود ہے، اس کے علاوہ اور کوئی مقصود نہیں۔ دیدارِ الٰہی کا آخرت کے لیے وعدہ کیا گیا ہے۔ دنیا میں ہرگز واقع نہیں ہوگا۔ وہ مشاہدات وتجلیات جس پر صوفیاء خوش ہو رہے ہیں وہ تو (درحقیقت) سائے اور مال پر تسلی دی جا رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ تو بلند سے بلند ہے۔ عجیب معاملہ ہے۔ اگر مشاہداتِ وتجلیات کی صحیح صحیح حقیقت بیان کی جائے تو خوف ہے کہ کہیں اس راہ کے مبتدیوں کی طلب اور ان کے شوق میں کمی واقع نہ ہوجائے۔ اور اگر بیان نہ کیا جائے تو اس بات کا خوف ہے کہ جان بوجھ کر حق وباطل کو ملانے کو جائز نہ قرار دے دیا جائے۔ (مکتوب ۲۰۷ دفتر اول بنام مرزا حسام الدین احمد)

تشریح

یہ مکتوب اپنے مفہوم میں بالکل واضح ہے کہ کشف والہام اس قابل نہیں ہے کہ اسے فیصلہ کن اہمیت دی جائے، راہ سلوک سے اصل مقصود اسلامی شریعت پر استقامت کا حاصل ہونا ہے۔ کشف وغیرہ تو حوصلہ افزائی کا ذریعہ ہے۔ اسے راہ سلوک میں تیز رفتاری سے چلنے کا ذریعہ بنانا چاہئے، نہ کہ کشف کو مقصود بنا کر، اپنی

بزرگی ودرویشی کے مقاصد کے لئے استعمال کرنا چاہئے، ایسے طالب جو ذکر وفکر کے مجاہدوں کو بزرگوں کی روحوں سے ملاقات اور دوسری دنیا کے مشاہدات کا ذریعہ سمجھتے ہیں، ان کا ہدف یہی چیزیں ہوتی ہیں۔ جب کہ راہ سلوک کا ہدف ماسویٰ اللہ سے منقطع ہوجانا ہے۔ مرتب)

بزرگوں کومختلف مقامات پر دیکھنا

حضرت مخدومی قبلہ گاہی (حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ) فرمایا کرتے تھے کہ ایک درویش بیان کرتے تھے کہ عجیب معاملہ ہے لوگ اطراف وجوانب سے میرے پاس آتے ہیں، ان میں سے بعض کہتے ہیں کہ ہم نے ہم کو مکۂ معظمہ میں دیکھا ہے وہاں موسم حج میں موجود تھے اور ہمارے ساتھ تم نے حج کیا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ ہم نے تم کو بغداد میں دیکھا تھا اور مجھ سے اپنی واقفیت کا اظہار کرتے ہیں، حالانکہ میں اپنے گھر سے باہر ہی نہیں نکلا ہوں اور نہ میں نے ان لوگوں کو کبھی دیکھا۔ (مکتوب ۲۱۶ دفتر اول بنام مرزا حسام الدین احمد)

تشریح

اس مکتوب سے یہ نکتہ سمجھنا چاہئے کہ بزرگوں سے روحانی طور پر ملاقات ہونا، یا ان کی تصویروں کو انہی کی شکل میں دیکھنا، نہ تو معراج کمال ہے اور نہ ہی اس قابل ہے کہ اس کا دوسروں سے تذکرہ کرکے محظوظ ہوا جائے، بلکہ بزرگوں کی اس روحانی ملاقات کا تو اکثر اوقات میں خود بزرگوں کو بھی علم نہیں ہوتا۔ ان تصویروں کی کل حیثیت یہ ہے کہ یہ طالبوں کی حوصلہ افزائی کا ذریعہ ہیں اور ان کے لئے راہ سلوک میں چلنے کے لئے مہمیز کی حیثیت رکھتی ہیں، ان شکلوں کو اگر اس سے زیادہ اہمیت دی گئی اور انہیں اپنی بزرگی کی تشہیر کا ذریعہ بنایا گیا تو اہل تصوف کے لئے موجب فتنہ بن جائے گا۔ مرتب)

باطنی امراض کے
اثرات ونتائج

فرد کو ظاہری امراض میں سے کوئی مرض لاحق ہوتا ہے یا اس کے کسی عضو کو کوئی آفت وتکلیف پہنچتی ہے تو وہ اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھتا، جب تک وہ مرض دور نہ ہوجائے اور قلبی مرض جس سے مراد اللہ کے سوا دوسری چیزوں میں مشغولیت ہے۔ یہ مرض اس حد تک غالب آچکا ہے کہ قریب ہے کہ فرد کو ابدی موت تک پہنچا دے اور دائمی عذاب میں مبتلا کردے اس مرض کے ازالے کی کوئی فکرنہیں کرتا اور نہ اس کے دفع کرنے کی کوشش ہوتی ہے (ایسا فرد دوحال سے خالی نہیں) اگر وہ دنیا میں گرفتاری کو مرض نہیں سمجھتا تو وہ احمق محض ہے اور اگر مرض سمجھتا ہے اور پھر اس کا علاج نہیں کرتا تو ناپاک محض ہے۔ یقینی طور پر اس مرضِ باطن کو پہچاننے کے لیے عقلِ آخرت درکار ہے۔ دنیاوی عقل (بیچاری) اپنی کوتاہ نظری کی وجہ سے ظاہر بینی تک محدود ہے۔ جس طرح عقلِ دنیاوی اپنے فانی لذتوں کی وجہ باطنی آفتوں کو مرض نہیں سمجھتی، اسی طرح عقلِ آخرت بھی اخروی ثوابوں کے پیش نظر ظاہری امراض کو مرض تصور نہیں کرتی۔ عقلِ معاش کوتاہ بین ہے، اور عقلِ معاد تیز نظر (دوربین) ہے۔ عقلِ معاد ''نصیب انبیاء واولیاءٗ'' ہے اور عقلِ معاش ''مرغوب اغنیاء وارباب دنیا'' دونوں عقلوں کے درمیان بہت بڑا فرق ہے۔ آخرت والی عقل حاصل کرنے کے جو اسباب ہیں، ان میں سے ایک ذکر موت ہے اور آخرت احوال ہیں اور ایسے لوگوں کے ساتھ صحبت کا اہتمام جو یادِ آخرت کی دولت سے مشرف ہوں۔

وادیم تراز گنج مقصود نشانے　　　　ماا گرنرسیدیم تو شاید برسی

جاننا چاہیے کہ جس طرح ظاہری مرض کی موجودگی میں شرعی احکام کی ادائیگی میں دشواری ہوتی ہے، اسی طرح مرض باطن بھی موجب دشواری ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ

فرماتا ہے: كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ مَا تَدْعُوهُمْ إِلَيْهِ. (جس چیز کی طرف آپ مشرکین کو بلا رہے ہیں یعنی توحید وہ ان مشرکین پر بہت بھاری ہے)۔

ایک جگہ ارشاد ہے: وَإِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ إِلَّا عَلَى الْخَاشِعِيْنَ (بیشک نماز دشوار ہے، مگر ان پر دشوار نہیں، جو خشیت اختیار کرنے والے ہیں)۔ ظاہر میں تو جسمانی اور اعصابی کمزوری سے دشواری ہوتی اور باطن میں ایمان ویقین کی کمزوری موجب دشواری ہوتا ہے۔ شرعی احکام میں تو پوری سہولت موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ. (اللہ تمہارے لیے آسانی چاہتا ہے، دشواری نہیں چاہتا)۔ (مکتوب ۲۱۹ دفتر اول ملا داؤد)

تشریح

قلبی امراض، جو، کہ افراد کی ہلاکت کے لئے کافی ہیں۔ اور معاشرہ میں فساد کا ذریعہ ہیں۔ عام طور پر ان سے غفلت کا مظاہرہ ہے۔ بظاہر اگرچہ کسی حد تک دین داری بھی موجود ہے، لیکن باطنی بیماریوں حب جاہ وحب مال، حرص وہوس، دوسروں کی تحقیر اور دعویٰ کی وجہ سے افراد معاشرہ میں ٹکراؤ اور امت کی وحدت میں توڑ کی فضا غالب ہے۔ یہ سب باطنی امراض کی نوعیت کو سمجھکر ان کے ازالہ کی فکر کے نہ ہونے کا نتیجہ ہے۔ مرتب)

عافیت اور خوشحالی کا نیک اعمال
اور ذکر سے وابستہ ہونا

إِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِأَنْفُسِهِمْ (بیشک اللہ تعالیٰ کسی قوم کی عافیت ونعمت کونہیں تبدیل کرتا جب تک وہ اپنے احوالِ جمیلہ کو اخلاق رذیلہ سے تبدیل کردیں) یعنی جب تک کوئی قوم اعمالِ صالحہ میں مشغول رہے گی اور ذکر خدا سے غافل نہ ہوگی، اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی عافیت وخوشحالی سلب نہیں ہوگی۔ (مکتوب ۲۳۹ دفتر اول)

بلاد ہند میں انبیاء کی دعوت توحید کیوں عام نہ ہوسکی؟

یہ فقیر جتنا غور کرتا ہے اور نظر کو دوڑاتا ہے کوئی علاقہ ایسا نہیں پاتا، جہاں پر ہمارے پیغمبرﷺ کی دعوت نہ پہنچی ہو، بلکہ محسوس ہوتا ہے کہ آپ کا نورِ دعوت آفتابِ کی طرح ہر جگہ پہنچا ہے، حتیٰ کہ یاجوج وماجوج (کے علاقے) میں بھی، جن کے لیے سد (ذوالقرنین) حائل ہے۔ (قبلِ بعثتِ خاتم الانبیاﷺ) امم سابقہ میں جب غور کرتا ہوں تو کم مقامات ایسے پاتا ہوں کہ جہاں کسی پیغمبر کی بعثت نہ ہوئی ہو۔ حتیٰ کہ ہندستان جو (بظاہر) اس معاملہ سے دور معلوم ہوتا ہے، یہاں پر بھی پاتا ہوں کہ پیغمبر مبعوث ہوئے ہیں اور انہوں نے اللہ کی دعوت دی ہے۔ ہند میں ایسا محسوس ہوتا ہے، گویا انوار انبیاء، ظلماتِ شرک کے اندر مشعلوں کی طرح روشن ہیں...... اور یہ بھی دیکھتا ہوں کہ یہاں ایک پیغمبر وہ ہے، جس پر کوئی ایمان نہیں لایا اور کسی نے ان کی دعوت کو قبول نہیں کیا۔ ایک پیغمبر ایسا ہے کہ اس پر صرف ایک فرد ایمان لایا ہے۔ ایک پیغمبر پر صرف دو آدمی ایمان لائے ہیں۔ بعض پر تین آدمی ایمان لائے ہیں۔ تین سے زیادہ کسی پیغمبر پر ایمان لانے والے نظر نہیں آئے ...... یہاں کوئی کوتاہ اندیش یہ سوال نہ کرے کہ اگر ہندستان میں انبیاء مبعوث ہوئے تھے تو ان کی بعثت کی خبر یقینی طور پر ہم تک پہنچتی، بلکہ وہ خبر، نقل کی کثرت اور تواتر کے ساتھ منقول ہوتی۔ اور جب ایسا نہیں ہے تو یہاں انبیاء بھی مبعوث نہیں ہوئے۔

میں کہتا ہوں کہ ان پیغمبروں کی دعوت عام نہ تھی، بعض کی دعوت کسی ایک قوم کے لئے تھی، بعض کی کسی ایک قریہ یا ایک شہر والوں کے لئے تھی۔ (مکتوب ۲۵۹ دفتر اول)

تشریح

یہاں نفس پرستی کی شدید قوتوں کو سمجھنے کے لئے یہ نکتہ ضروری ہے کہ انبیاء کرام دنیا میں اللہ کی طرف سے سب سے بڑی نعمت اور رحمت ہوتے ہیں، ان کی

زندگی بھر کی جدوجہد، ساری توانائیوں کے استعمال اور پاکیزہ کردار کی رونق کے باوجود افراد کی طرف سے ان کی دعوت سے بغاوت کی روش کا ہونا اور ایک پیغمبر پر صرف ایک آدھ افراد کا ایمان لانا، انسانیت کا سب سے بڑا المیہ ہے۔ اور انسانی نفسیات میں موجود سنگین خرابی کو ظاہر کرتا ہے۔ موجودہ دور، توسراپا مادیت سے عبارت ہے اور اس دور میں نفس کی خواہشات کو مشتعل کرنے کے لئے ہر وقت مادی مناظر و مظاہر موجود ہیں، لیکن اُس دور میں تو یہ صورت نہیں تھی، اس کے باوجود اللہ کے نبیوں کی مخالفت کرنا اور ان کی دعوت کا منفی جواب دینا، نفس پرستی کی قوتوں کو سمجھنے کے نقطہ نگاہ سے ہمارے لئے لمحہ فکریہ ہے۔ مرتب)

کفار کو حاصل ہونے والے بعض غیبی امور کے کشف کی حیثیت

تصفیہ وتزکیہ اورنفس کی پاکیزگی ان صالح ایمان سے جو وابستہ ہے جو اللہ کی مرضی کی ہوں، اس بات کا تعلق بھی انبیاء کی بعثت سے ہے اس لئے انبیاء کی بعثت کے بغیر تزکیہ نفس کی صفائی کی کوئی حقیقت نہیں، کفار اور اہل فسق کو جو صفائی حاصل ہوتی ہے وہ نفس کی صفائی ہے، نہ کہ قلب کی، نفس کی ایسی صفائی گمراہی اور خسارہ کے علاوہ اور کوئی حیثیت نہیں رکھتی، نفس کی صفائی کی وجہ سے ان پر جو بعض غیبی چیزوں کا کشف ہوتا ہے، وہ ان کے لئے ڈھیل وآزمائش کی حیثیت رکھتا ہے اللہ تعالی ہمیں اس بلا سے حضورﷺ کے صدقہ سے نجات دے۔ (مکتوب ۲۶۱ دفتر اول)

تشریح

اس سے معلوم ہوا کہ مجاہدات کے ذریعہ نفس کی صفائی اہل کفار کی بھی ہوجاتی ہے اور انہیں کشف وغیرہ بھی حاصل ہونے لگتا ہے، ان کے یہ مجاہدے اور ان کا کشف ان کے لئے ڈھیل اور آزمائش سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا، اس لئے کہ صحیح

دینی عقائد اور اسلامی شریعت کے بغیر یہ چیزیں اللہ کی رضامندی کا موجب ہرگز نہیں ہوسکتی، کشف اور لوگوں کی دلوں میں موجود باتوں کے جاننے کا تعلق نفس کی قوت کو پامال کرنے سے بھی ہے۔ جب نفس، حالت بھوک اور ریاضتوں سے پامال ہوتا ہے تو روح کی پرواز اونچی ہوجاتی ہے، لیکن صحیح ایمانی عقائد اور اسلامی شریعت کے بغیر اس طرح کی روحانیت اور کشف عنداللہ کسی اہمیت کا حامل نہیں۔ مرتب)

وراثت انبیاء کی بصیرت افروز تشریح

حدیث میں ہے۔العلماء ورثۃ الانبیاء(علماء کے ہیں انبیاء کے وارث ہیں)۔ انبیاء علیہم السلام کے جو علوم وراثت ہے وہ دوقسم کے ہیں۔ ایک احکام کا علم دوم اسرار کا علم، انبیاء کا وارث کہلانے کا مستحق دینی عالم ہے، جس کو دونوں قسم کے علوم سے حصہ ملا ہو، یہ نہ ہو کہ فقط ایک قسم کا علم نصیب ہو، دوسرے علم سے محرومی ہو، یہ بات وراثت کے خلاف ہے۔ وارث مورث کے سارے ترکے میں حصہ دار ہوتا ہے، یہ نہیں کہ وہ وراثت کی کچھ چیزوں میں تو حصہ دار ہو، کچھ میں نہ ہو اور جس کا حصہ کسی خاص جنس تک محدود ہے وہ (وارث نہیں ہے اس لیے کہ قرض دینے والے کا حصہ صرف اس کے حق کی جنس سے متعلق ہوتا ہے۔ (مکتوب ۲۶۸ دفتر اول، بنام خانخاناں)

تشریح

علماء کرام، انبیاء کرام کے دونوں طرح کے علوم کے وارث ہوتے ہیں، ایک شرعی احکامات کا علم، دوم احکامات کے پس پردہ اسرار کا علوم، یعنی باطنی علوم، جس سے نفس کی قوتوں کو شریعت کے تابع بناکر، انہیں حکمت، فراست وبصیرت سے نوازا جاتا ہے، محض ایک طرح کے علم سے انبیاء کی وراثت سے حصہ نہیں ملتا۔ مرتب)

اپنے اختیار کا شیخ کامل کے اختیار میں گم کرنا

اپنے اختیار کو شیخ کامل کے اختیار میں گم کردے اور خود کو ساری آرزؤں سے

خالی کر کے اس کی خدمت کے لئے کمر باندھ لے۔ شیخ کامل اگر طالب میں ذکر واذکار کی استعداد دیکھے گا تو ذکر کا حکم کرے گا۔ اگر اس کے لئے مراقبے کو مناسب سمجھے گا تو اس کے لئے ارشاد فرمائے گا اور اگر محض اپنی صحبت میں رہنے کو کافی سمجھے گا تو اس کا امر کرے گا...... نیز چاہئے کہ اس راہ کی شرائط کا خیال رکھا جائے، یہ شرائط، مشائخ کی کتب میں تفصیل سے موجود ہیں، وہاں دیکھ کر ان کو ملحوظ رکھا جائے۔ اس راہ کی سب سے بڑی شرط، نفس امارہ سے معرکہ آرائی کرنا ہے اور یہ اس کی مخالفت اس بات سے وابستہ ہے کہ مقام تقویٰ کی رعایت وپاسداری کی جائے۔ (مکتوب ۲۸۶ دفتر اول)

تشریح

شیخ کامل جو نفسی قوتوں کے ہمالیہ پہاڑ کو طے کر چکا ہوتا ہے، طالب جب اپنے آپ کو مکمل طور پر اس کے سپرد کر دیتا ہے تو وہ بڑی حکمت وبصیرت کے ساتھ نفس کی ان گھاٹیوں سے نکالنے کے لئے کوشاں ہوتا ہے، شیخ کامل پر مکمل اعتماد کر کے اس کے سامنے اپنی رائے کو فنا کرنا ناگزیر ہے۔

اس کے بغیر راہ سلوک کا سفر ممکن نہیں، اس لئے کہ مبتدی نفسی قوتوں کی خوفناک قوتوں سے ناآشنائے محض ہوتا ہے، وہ شیخ کی سرپرستی میں سفر کرنے کے نتیجہ میں ہی نفسی قوتوں کو عبور کر کے نفس مطمئنہ تک رسائی حاصل کر سکتا ہے۔ مرتب)

شرعی احکام کی ادائیگی میں
نفسانی ظلمات کی وجہ سے دشواری کا ہونا

بعض افراد کو جو شرعی احکام کی ادائیگی میں جو آسانی محسوس نہیں ہوتی، تو نفسانی ظلمات اور طبعی کدورت کی وجہ سے ہے، نفسانی ظلمات اور طبعی کدورتیں نفس امارہ کی خواہش سے پیدا ہوتی ہیں، اور نفس امارہ ظاہر ہے کہ حق کی عداوت پر ڈٹا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: (بے شک نماز دشوار ہے مگر ان پر دشوار نہیں جو

عاجزی اور فروتنی کرنے والے بندے ہیں) پس جس طرح ظاہری مرض سے احکام کی ادائیگی میں دشواری کا ہوتی ہے، اسی طرح باطنی مرض بھی دشواری کا باعث بن جاتا ہے۔ شریعت مطہرہ، نفس امارہ کو کچلنے اور اس کے وسوسوں کو دور کرنے کے لئے وارد ہوئی ہے۔ خواہش نفس اور اتباع شریعت دونوں آپس میں ایک دوسرے کی ضد ہیں، لہٰذا جب کوئی شرعی احکام میں دشواری محسوس کرے گا یہ علامت ہے اس بات کی کہ اس کے اندر خواہش نفسانی کے موجود ہے (بلکہ طاقتور ہے) جس قدر دشواری محسوس ہوگی اسی قدر سمجھا جائے گا کہ خواہش نفس موجود ہے۔ اور جب نفس امارہ کی خواہش کلیۃ دفع ہو جائے گی۔ شرعی احکام میں دشواری کا احساس ختم ہو جائے گا۔ (مکتوب ۲۸۹ دفتر اول بنام مولانا بدر الدین)

تشریح

کثرت ذکر کے بغیر نفسی قوتوں کی شہ زوری ختم نہیں ہوتی بلکہ نفس کی قوت وشدت موجود ہوتی ہے اور یہی نفسی قوت شریعت پر چلنے میں مزاحم ہوتی ہے۔ اور اخلاق حسنہ کی راہ میں حائل ہوتی ہے۔

جب تک ذکر وفکر کے مجاہدوں اور صحبت اہل اللہ کے ذریعہ نفس امارہ کا زور نہیں ٹوٹے گا اور فنائے کلی کا مقام حاصل نہ ہوگا، اس وقت تک شریعت پر عمل پیرا ہونا دشوار ہے، دوسرے شرعی امور تو خیر اپنی جگہ، نماز تک کی ادائیگی میں شدید مشکلات درپیش ہوں گی۔ حضرت مجدد کا بیان کردہ یہ نکتہ ایسا ہے، جس کا مشاہدہ راہ سلوک کے ہر طالب کو روزمرہ زندگی میں حاصل ہوتا ہے۔ جو افراد راہ سلوک میں نہیں ہیں، ان کی نفس کی شدت کا کیا کہنا۔ نفسی ظلمات کی موجودگی میں اگرچہ ظاہری اور رسمی فرائض کی بجاآوری کی صورت پیدا ہو سکے، جو عادت کا نتیجہ ہوتی ہے، لیکن دل کی گہرائیوں اور محض اللہ کی رضامندی کے مقصد سے فرائض وواجبات وسنن کی ادائیگی ہو، دشوار تر ہے۔ باطنی بیماریوں سے نجات اور اخلاق حسنہ کا پیدا ہونا تو مزید دشوار تر ہے۔ اس لئے نفسانی ظلمات کے ازالہ کا کام سارے کاموں سے زیادہ

اہمیت کا حامل ہونا چاہیے۔ مرتب)

فتنے کے خلاف حمیت کا اظہار

اللہ تعالیٰ اہل کتاب کی مذمت کرتے ہوئے قرآن مجید میں فرماتا ہے۔ ان کو (یہود کو) جھوٹ بولنے اور حرام کھانے سے ان کے زاہد اور عالم کیوں نہیں منع کرتے ہیں بیشک یہ جو کچھ کررہے ہیں بُرا کر رہے ہیں۔ دوسری جگہ فرماتا ہے وہ (علماء یہود) یہود کو برے کام کرنے سے نہیں روکتے ہیں یہ بُرا کرتے ہیں۔" اس قسم کے واقعات میں تغافل کرنا بدعتیوں کو دلیر بنانا اور دین میں رخنہ ڈالنا ہے۔ یہ بات بھی (بڑوں کی) سستی سے ہورہی ہے کہ مہدوی جماعت اس جگہ بر ملا اہل حق کو باطل کی طرف دعوت دے رہی ہے اور وہ تھوڑے تھوڑے وقفے سے دو ایک آدمیوں کو اس طرح اچک لیتے ہیں، جس طرح بھیڑیا گلے میں سے بھیڑ کو لے جاتا ہے۔ زیادہ کیا تکلیف دوں۔ چونکہ یہ (خطیب والی) خبر وحشت اثر مجھے شورش میں لے آئی اور اس نے میری رگ فاروقی کو متحرک کردیا، اس لیے یہ چند کلمات لکھدیئے (امید کہ) مجھے معذور رکھیں گے۔ (ایضا)

تشریح

اس مکتوب میں آپ نے جو غیرمعمولی دینی حمیت ظاہر کی ہے، وہ ہمارے لئے قابل تقلید ہے۔ موجودہ دور میں آئے دن جو نئے نئے فتنے اٹھ رہے ہیں، بالخصوص خالص مادی نوعیت کے نظریاتی فتنے، جو ہماری ذہین نوجوان نسل کو دین کے بنیادی عقائد سے بغاوت کی راہ پر لے جارہے ہیں۔ ان فتنوں کو سمجھکر، ان کے مقابلہ کی فکر نہ ہونے کے برابر ہے، حضرت مجدد سے محبت کے دعویداروں اور مجددی کہلوانے والوں کو حضرت مجدد کا یہ اور اس طرح کے دوسرے مکتوب بیدار کرنے اور جھنجھوڑنے کے لئے کافی ہیں۔ مجددی سلسلہ کے بہت سارے بزرگ ایسے موجود ہیں، جو باصلاحیت بھی ہیں تو ان کے پاس وسائل کی بہتات بھی ہے، لیکن جدیدیت کے حوالے سے دین کو درپیش چیلنج کا فہم وشعور نہ ہونے کی وجہ سے وہ اس

سلسلہ میں کوئی کردار ادا کرنے سے قاصر ہیں۔ کاش وہ حمیت دین کا مظاہرہ کرتے ہوئے جدیدیت کے چیلنج، (جس نے لاکھوں سے زیادہ افراد کو سیکولر بنا دیا ہے) کے مقابلہ کی فکر کریں اور اپنے باصلاحیت افراد کو اس کام میں لگائیں۔ مرتب)

کچھ نماز کی تاکید کے بیان میں

نماز، دین کا ستون اور معراج مومن ہے (اس لیے) نماز کی ادائیگی میں پورا اہتمام ملحوظ رکھا جائے اور احتیاط کرنی چاہئے کہ نماز کے ارکان وشرائط اور سنن وآداب، نماز کی شایان شان ادا ہوں۔ طمانیت وتعدیل ارکان کے متعلق بار بار تاکید کی جاتی ہے کہ اس کی اچھی محافظت کریں۔ اکثر لوگوں کو دیکھا جارہا ہے کہ وہ نماز کو ضائع کررہے ہیں اور طمانیت اور اس کے ارکان کو برباد کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے حق میں وعیدیں اور تہدیدیں وارد ہوئی ہیں۔ نماز جب درست ہوگئی تو (سمجھو، نجات کے لیے امید عظیم تر آگئی)۔ اس لیے کہ اس کے ذریعے دین قائم ہوا اور عروج کا ذریعہ مکمل ہوگیا)۔ (مکتوب ۲۰ دفتر دوم بنام مولانا محمد طاہر بدخشی)

تشریح

جب نماز کی راہ میں حائل دشواریاں دور ہوگئیں اور نماز میں خشوع وخضوع کی کیفیت غالب ہونا شروع ہوگئی، نیز نماز سے انسیت کا تعلق قائم ہونا اور مستحکم ہونا شروع ہوا تو سمجھنا چاہئے کہ ذکروفکر کے مجاہدوں کا مقصد حاصل ہوگیا، اور اب راہ سلوک کے طے ہونے میں زیادہ دشواری باقی نہیں، الصلوٰۃ معراج المؤمنین کا مقام نفس مطمئنہ کے حامل افراد ہی کو نصیب ہوتا ہے۔ مرتب)

ہزاروں ظلمتوں وکدورتوں کا علاج

اتباع سنت اور شیخ سے محبت واخلاص کا ہونا

اگر ان دو چیزوں میں کوئی خلل واقع نہ ہوا ہو۔ تو کوئی غم کی بات نہیں، ایک

آنحضرت ﷺ کا اتباع۔ دوم اپنے شیخ سے محبت واخلاص۔ ان دونوں چیزوں کی موجودگی میں اگر دل پر ہزاروں ظلمتیں اور کدورتیں طاری ہوجائیں، تب بھی کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ انجام کے لحاظ سے فرد کو خراب وضائع نہیں کریں گے۔ لیکن اگر خدانخواستہ ان دونوں باتوں میں سے کسی ایک میں بھی نقصان پیدا ہوگیا تو خرابی ہی خرابی ہے، اگرچہ فرد کو کتنی ہی حضور وجمعیت حاصل ہو، اس لیے کہ وہ استدراج (مہلت وڈھیل) ہے اور اس کا انجام خرابی ہے۔ اللہ تعالیٰ سے عاجزی کے ساتھ ان دونوں باتوں میں ثابت قدم رہنے کی دعا مانگیں اور اس سے ان دونوں باتوں پر مستحکم رہنے کی التجا کریں۔انہی دو چیزوں پر کام اور نجات کا مدار ہے۔ (مکتوب۳۰، دفتر دوم بنام خواجہ محمد اشرف ومولانا حاجی محمد فرکتی)

تشریح

یہ مکتوب اس اعتبار سے اہمیت کا حامل ہے کہ اس میں شیخ سے محبت کو فیصلہ کن قرار دیا گیا ہے، شیخ کامل جو رسول کا نائب ہوتا ہے، جس کی زندگی، اللہ کے رسول کی زندگی کے نقوش پر مشتمل ہوتی ہے، اس سے محبت کے تعلق کی وجہ سے فرد کے لئے اللہ ورسول کی محبت آسان کردی جاتی ہے۔ اور باطنی اصلاح اور تزکیہ کی راہ کھول دی جاتی ہے، اور اسے اخلاق حسنہ سے آراستہ کیا جاتا ہے، یہ وہ نکتہ ہے، جسے نہ سمجھنے کی وجہ سے غلط فہمی پیدا ہونے لگتی ہے۔ امت کی پوری تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ بزرگان دین سے محبت اور ان کی صحبت کی وجہ سے کروڑہا افراد، دین پر استقامت سے قائم رہے، آج جب امت کا یہ تسلسل قائم نہ رہا اور اہل اللہ سے محبت کا تعلق منقطع ہوگیا تو مادیت کے سیلاب میں تنکوں کی طرح بہنے کی صورت پیدا ہوگئی ہے۔ غور وفکر کی ضرورت ہے کہ حضرت مجدد ہی نہیں، بلکہ سارے سلف صالحین، اہل اللہ کی صحبت اختیار کرنے کی تاکید ووصیت کرتے رہے ہیں۔ سبب یہ ہے کہ اللہ کی سنت یہ ہے کہ دین ودنیا کے سارے علوم (خود دنیاوی علوم وفنون) ماہرین کی

صحبت کے بغیر حاصل نہیں ہوتے۔ مرتب)

کچھ ذکر اور درود کے بارے میں

اللہ تعالیٰ کی عنایت سے معلوم ہوا کہ اس وقت ذکر کرنا درود پڑھنے سے بہتر ہے، درود بھیجنے والے کے لیے بھی اور جس ذات گرامی پر درود بھیجا جاتا ہے اس کے لیے بھی۔ دو وجہ سے ایک وجہ تو یہ ہے کہ حدیثِ قدسی میں آیا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ”جس شخص کو میرا ذکر سوال ودرخواست سے باز رکھے میں اس کو ان لوگوں سے بہتر اور زیادہ تر دیتا ہوں جو مجھ سے سوال کرتے ہیں۔“ دوسری وجہ یہ ہے کہ ذکر، حضرت پیغمبر ﷺ ہی سے ماخوذ ہے۔ ذکر کا ثواب جس طرح ذاکر کو ملتا ہے آں سرور ﷺ کو بھی اس ثواب کے مثل ملتا ہے۔ جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے: ”جس شخص نے کسی طریقۂ نیک کی بنیاد رکھی، پس اس کو اس کا ثواب ملتا ہے۔ اور ساتھ ہی ساتھ جو شخص بھی اس نیک طریقے پر عمل کرے گا، اس کا ثواب بھی۔“ اسی طرح ہر عمل نیک جو کسی امتی سے وجود میں آتا ہے،اس کا اجر جس عامل کو ملتا ہے پیغمبرؐ کو بھی جو اس عمل کے مقرر کرنے والے ہیں، اسی قدر اجر ملتا ہے، بغیر اس کے کہ عمل کرنے والے کے اجر میں کوئی کمی واقع ہو۔ اور اس کی بھی کوئی ضرورت نہیں ہے کہ عمل نیک کرنے والا پیغمبر (کو ثواب پہنچانے) کی نیت سے عمل کرے۔ اس لیے کہ یہ اجر کا دینا محض عطائے حق ہے۔ عمل کرنے والے کا اس میں کوئی دخل نہیں ہے۔ البتہ اگر عمل کرنے والا پیغمبر کی نیت بھی کرلے گا تو یہ امر خود عامل کے اجر وثواب کی زیادتی کا باعث ہوگا اور یہ زیادتی اجر وثواب بھی پیغمبر ﷺ کی طرف رجوع کرے گی۔ (مکتوب ۵۷ دفتر دوم بنام ملا غازی)

تشریح

ذکر کی اہمیت مسلمہ ہے کہ ذکر سے نفس کی قوت پامال ہوتی ہے اور ذکر کا نور

فرد کی زندگی میں فیصلہ کن انقلاب وتبدیلی کا ذریعہ ثابت ہوتا ہے۔ جس ذکر کی برکت سے فرد کی زندگی پاکیزہ ہوجائے اور نفس پرستی کی قوتوں سے بچاؤ کی صورت پیدا ہوجائے، اس ذکر کی اہمیت مسلمہ ہے۔ چونکہ ذکر کی تعلیم اللہ کے رسول کے ذریعہ ہی ملی ہے، اس لئے اس کا ثواب اللہ کے رسول کو تو ہر صورت میں مل کر رہے گا۔ تاہم روزانہ درود کا کچھ نہ کچھ تعداد میں معمول ہونا ضروری ہے، اس لئے کہ جس ہستی کے ذریعہ سے اسلامی شریعت ملی، جو ہستی ہمارے لئے دونوں جہانوں کی سعادت کا ذریعہ ہے، اس پر درود بھیجنا امتی پر حق ہے۔ مرتب)

مبتدی کے لئے ذکر کی فیصلہ کن اہمیت

اس میں شک نہیں کہ ذکر سے اصلی مقصود اللہ کی یاد ہے اور اجر اس کا ضمنی حاصل اور درود شریف میں اصلی مقصود طلب اجر وحاجت ہے اور ان دونوں باتوں میں بڑا فرق ہے۔ پس وہ فیوض وبرکات جو ذکر کی راہ سے پیغمبر ﷺ کو پہونچتے ہیں ان فیوض وبرکات کے مقابلے میں کئی درجے زیادہ ہوں گے، جو درود کی راہ سے ان کو پہونچتے ہیں۔ یہ بھی جان لینا چاہیے کہ ہر ذکر یہ اہمیت نہیں، بلکہ جو ذکر، لائق قبول ہے وہی اس خصوصیت واہمیت کا حامل ہے، اگر ایسا ذکر، جس کو طالب کسی شیخ کامل سے حاصل کرے اور شرائط کے ساتھ اسے کرتا رہے تو وہ درود سے افضل ہے ...... اسی لیے بزرگوں نے مبتدی کے لیے سوائے ذکر کے اور کوئی چیز تجویز نہیں کی ہے اور اس کے حق میں فرائض، (واجب) اور سنن کو کافی سمجھا ہے اور اسے نفلی چیزوں سے منع کیا ہے۔ (ایضا)

تشریح

چونکہ مبتدی کا نفس، شرارت میں شیطان سے زیادہ شریر ہوتا ہے، اس لئے ذکر کثیر کے ذریعہ نفس کی اس گندگی کی صفائی ضروری ہے، دوسری صورت میں ہر کام میں نفس کے فسادی جراثیم شامل ہونے کے خطرات لاحق رہتے ہیں۔ نفلی

عبادت اور دینی کاموں میں بھی دعویٰ کے خطرات لاحق رہتے ہیں۔ اس لئے ذکر کثیر کے بغیر سالکوں کو نفلی چیزوں سے بھی منع کیا جاتا ہے، پہلے اصل مقصود کی سمت صحیح ہوجائے، اس کے بعد ہی سارے کام نیکی میں شمار ہوں گے۔ مرتب)

دعوت کے کام سے بڑھکر
کوئی کمال نہیں

یہ بات بھی اچھی طرح روشن ہے کہ کوئی کمال، دعوت وتبلیغ کے کام کے مرتبے کو نہیں پہونچتا۔ اس لیے کہ اللہ کے بندوں میں اللہ کو وہ بندہ زیادہ محبوب ہے جو بندوں کی دوستی اللہ سے اور اللہ کی دوستی بندوں سے کرادے،ظاہر ہے یہ داعی ومبلغ ہی کا کام ہے۔تم نے سنا ہوگا کہ حدیث میں آیا ہے کہ قیامت کے دن علماء کی روشنائی، شہداء فی سبیل اللہ کے خون کے ساتھ وزن کی جائے گی اور علماء کی سیاہی وروشنائی کا پلہ، شہداء کے خون کے پلہ سے بھاری ہوگا۔ امت کو یہ دولت دعوت وتبلیغ بالاصالۃ میسر نہیں ہے، جو کچھ بھی دعوت وتبلیغ ان کے پاس ہے وہ پیغمبرؐ کے طفیل ضمنی طور پر ہے۔ اصل اصل ہوتا ہے اور شاخ اصل سے نکلتی ہے۔ اس سے اس امت کے اندر دعوت وتبلیغ کا کام کرنے والوں کی فضیلت سمجھنی چاہیے۔ دعوت وتبلیغ کے مختلف درجات ہیں اور ''داعیان ومبلغان'' کے درجات میں بھی فرق ہے۔ علماء کا وظیفہ خاص ظاہری احکام کی تبلیغ ہے۔صوفیہ باطنی احکام کا اہتمام کرتے ہیں۔ اور جو عالم بھی ہو اور صوفی بھی تو وہ تو اکسیر کا حکم رکھتا ہے اور وہی ظاہر وباطن کی تبلیغ کے شایانِ شان ہے اور (درحقیقت) وہی نائب ووارث پیغمبر ﷺ ہے۔ (مکتوب ۵۷ دفتر دوم)

تشریح

دعوتی کام کی اہمیت مسلمہ ہے۔ متوسط صوفی کو شیخ، کامل کی سرپرستی میں دعوتی کام کرنا چاہے یا اس کام میں تقویت کا ذریعہ ہونا چاہئے۔ دعوتی کام کے بغیر باطل قوتوں اور مادیت پرست اور سیکولر عناصر کے کام کے توڑ کی صورت کا پیدا ہونا ممکن

نہیں۔ دین کے تحفظ وبقا کا کام دعوت کے کام سے ہی وابستہ ہے،اہل تصوف کے لئے اس کام کے لئے فکرمندی ضروری ہے۔ دعوتی کام میں بھی بہت سارے محاذ ہیں۔فکری وعلمی کام کا محاذ ہے۔ لوگوں کو ذکر وفکر کے حلقوں کی طرف بلانے کا محاذ ہے۔ بُرائیوں سے بچنے اور امر وجھی کا محاذ ہے، مختلف مزاج کے لوگوں کو مختلف محاذوں پر دعوتی کام کرنا ضروری ہے، اس کام کی برکت سے اللہ کی طرف سے راہ سلوک کے طے ہونے کی صورتیں بھی پیدا ہوتی جائیں گی۔ مرتب)

دوسرے بزرگ سے استفادہ کا سوال

دریافت کیا تھا کہ پیر کے زندہ اور موجود ہونے کے باوجود اگر کوئی طالب کسی دوسرے شیخ کے پاس جاکر اس سے استفادہ کرے تو کیا یہ جائز یا نہیں؟ جاننا چاہئیے کہ اصلی، مقصود حق تعالیٰ ہے اور پیر (محض) ایک وسیلہ ہے حق تعالیٰ تک پہونچنے کا، اگر کوئی طالب اپنی اصلاح دوسرے شخص کے صحبت میں دیکھتا ہے اور اس کی صحبت سے اس کا دل حق تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو جائز ہے کہ وہ اپنے پیر کی حیات ہی میں اس کی اجازت کے بغیر اس شخص سے فیض حاصل کرے، لیکن یہ ضروری ہے کہ پیر اول سے انکار نہ کرے اور اسے اچھائی کے ساتھ یاد کرے (غرضکہ دوسرے شیخ سے ہدایت حاصل کرنا جائز ہے) بالخصوص اس زمانے میں کہ جب پیری ومریدی ایک رسم وعادت کی صورت اختیار کرچکی ہے اور اکثر پیرانِ وقت، جو خود اپنی خبر نہیں رکھتے اور ایمان وکفر کی امتیازی حدود قائم نہیں کر سکتے، وہ خداوند کریم سے کیا خبردار ہوں گے اور مرید کو کیا راہ راست دکھائیں گے؟۔

آ نکہ از خویشتن چونیست جنیں　　　　کے خبردار واز چناں وچنیں

اس مرید پر افسوس ہے جو ایسے (ناقص) پیر پر اعتماد کرکے بیٹھا رہے اور دوسرے کی طرف رجوع کرکے راہِ خدا معلوم نہ کرے۔ یہ شیطانی وسوسے ہیں،جو ناقص پیر کے زندہ ہونے کے باعث، طالب کو راہِ حق سے روکتے ہیں۔ جس جگہ بھی

ہدایت اور دل کی یکسوئی میسر ہو، بے تامل وہاں رجوع کرنا چاہئے اور شیطانی سے وسوسوں سے بچنا چاہئے۔ (مکتوب ۶۳ دفتر دوم بنام نور محمد ابنالوی)

اللہ کو دعوتی کام سب سے زیادہ محبوب ہے، اس مکتوب میں دوسرا نکتہ جو بیان ہوا ہے وہ یہ ہے کہ اگر ناقص پیر کی صحبت حاصل ہے، بعد میں اس کا احساس ہوا تو اس صورت میں طالب کے لئے لازم ہے کہ ایسے اہل اللہ کی صحبت اختیار کرے، جس کی صحبت سے دل سے حب جاہ وحب مال کے جذبات مضمحل ہونے لگیں اور تزکیہ واخلاق حسنہ کی صورت پیدا ہو۔ مرتب)

دل کے بدلتے ہوئے احوال سے پریشان نہ ہونا چاہئیے

(حدیث شریف میں ہے) الدنیا سجن المومن دنیا مومن کا قیدخانہ ہے۔ قیدخانہ کے مناسب حال تو دردوالم اور ومصیبت ہی ہیں۔ دل کی کیفیت کے ادل بدل ہونے سے پریشان نہ ہوں۔ قرآن مجید میں ارشاد فرمایا گیا ہے فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا. (بے شک دشواری کے ساتھ آسانی ہے، البتہ دشواری سے ساتھ آسانی ہے)۔ دیکھو اس جگہ ایک تنگی ودشواری کے ساتھ دوآسانیاں ملادی گئی ہیں، شاید ان سے فراخیٔ دنیا اور فراخیٔ آخرت مراد ہو۔ باکریماں کارہا دشوار نیست۔ (مکتوب ۲۴ دفتر دوم بنام محمد مومن خاں)

تشریح

راہ محبت کا طالب برسوں تک نفس کے ساتھ حالت جنگ میں ہونے کی وجہ سے کیفیات کے ادل بدل سے دوچار رہتا ہے، کبھی تو ذکر وفکر اور اس کا ذوق وشوق بے پناہ ہوتا ہے اور کبھی ساری کوششوں کے باوجود ذکروفکر میں کیفیات نہ ہونے کے برابر ہوتی ہیں۔ کبھی وہ محسوس کرتا ہے کہ نفس پوری طرح اس کے تابع ہوگیا ہے، کبھی اس پر نفس کی قوت اس طرح غالب آجاتی ہے کہ وہ آہ وزاری کرنے لگتا

ہے، آئے دن کے بدلتے ہوئے ان حالات سے وہ شدید تشویش میں مبتلا ہوجاتا ہے اور اپنے آپ کو راندہ درگاہ سمجھنے لگتا ہے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ نفس کے ساتھ یہ حالتِ جنگ اور ادلتی بدلتی ہوئی یہ کیفیات ایسی ہیں، جو طالب کی کامیابی کی نوید ہیں، اس لئے کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ راہ سلوک میں تیز رفتاری سے چل رہا ہے، یہ راہ سلوک کی بنیادی علامتیں ہیں، اب تک کے بزرگوں کو جو کچھ بھی حاصل ہوا ہے، وہ انہی حالات سے گذرنے کے نتیجہ میں ہی حاصل ہوا ہے، اس لئے اس اعتبار سے طالبوں کو حوصلہ اور اعتماد رکھنا چاہئے کہ نفس کے خلاف ان کی کاوشیں ان شاء اللہ نتیجہ خیز ثابت ہوں گی۔ مرتب)

اسلام کی حقانیت اور باطل کی بیخ کنی
کی کوشش کا ضروری ہونا

بعض طلبائے علوم نے لالچ کی جو کہ خبثِ باطن کا نتیجہ ہوتی ہے۔ امراء وسلاطین سے قرب تلاش کر کے ان کی خوشامد کرنا شروع کردی۔ اور دینِ متین میں طرح طرح کے شکوک وشبہات ڈال دیے اور بے وقوفوں کو راہِ مستقیم سے ہٹادیا۔ یہ بادشاہِ عظیم الشان جب کہ آپ کی بات اچھی طرح سنتا اور اس کو قبول کرتا ہے تو یہ کتنی اعلیٰ درجہ کی بات ہوگی کہ صراحتہ یا اشارۃ ان کے کانوں میں کلمۂ حق یعنی کلمۂ اسلام کو اہل سنت وجماعت، کے عقائد کے مطابق کانوں میں ڈال دیں اور جتنی گنجائش بھی ہو،اہلِ حق کی باتوں کو بادشاہ کے سامنے پیش کریں، بلکہ اس بات کے منتظر رہیں کہ کوئی نہ کوئی صورت ایسی پیدا ہوتی رہے جس سے مذہب کی گفتگو درمیان میں آجائے۔ تاکہ اسلام کی حقانیت کا اظہار اور کفروکافری کے باطل ہونے کا بیان ہو سکے۔ کفر خود ایک کھلا ہوا باطل ہے، کوئی عاقل اس کو پسند نہیں کرتا، اس کے باطل ہونے کو بلا تامل ظاہر کرنا اور کفار کے باطل کی معبودوں کی بے توقف نفی کرنا چاہیے۔ ایضا۔ (مکتوب ٦٦ دفتر دوم)

تشریح

اس مکتوب میں حکمراں طبقات میں دعوتی کام پر اکسایا گیا ہے۔ اگر راہ سلوک سے وابستہ افراد، معاشرہ کے مؤثر طبقات میں حکمت کے ساتھ دعوتی فریضہ سرانجام دیں تو اب بھی باطل کے خلاف صف آرائی کا کام ہو سکتا ہے۔ لیکن اس طرف توجہ نہ ہونے کے برابر ہے۔ جس کی وجہ سے معاشرہ سراسر فساد سے عبارت ہوگیا ہے۔ بااثر اور مؤثر طبقات میں دعوت کا کام وقت کی سب سے اہم ضرورت ہے۔ مرتب)

اصلاح حکومت کی کوشش کا ہونا،
بنی آدم کی اصلاح کی کاوش کے برابر ہونا

سلطان کی حیثیت روح کی سی ہے اور لوگوں کی مثال جسم کی سی، اگر روح صالح ہے تو جسم وبدن بھی صالح ہے، اگر روح فاسد ہے تو بدن بھی فاسد ہے۔ پس سلطان کی اصلاح کوشش کرنا، تمام بنی آدم کی اصلاح کی کوشش کرنا ہے، اور اصلاح کلمۂ اسلام کے اظہار سے وابستہ ہے، جس طرح بھی اور جس وقت بھی مناسب ہو، اہل سنت وجماعت کے عقائد کے مطابق، کبھی کبھی سلطان کے گوش گذار کرنا ضروری ہے اور مخالفین کا رد کرنا بھی چاہیے۔ اگر یہ دولت میسر ہوئی تو سمجھو کہ انبیاء علیہم السلام کی وراثتِ عظمیٰ حاصل ہوگئی۔ آپ کو یہ دولت مفت میں حاصل ہے۔ اس دولت کی قدر پہچاننی چاہئے۔ (ایضا)

تشریح

اس مکتوب سے معلوم ہوتا ہے کہ حکمرانوں سے محاذ آرائی کی بجائے حکمت کے ساتھ ان کی اصلاح کی کوشش ہونا، یہ بہت ضروری ہے۔ حضرت مجدد کی نظر میں اس کام کی حیثیت فیصلہ کن ہے۔ حضرت مجدد کے دور میں ان سے محبت رکھنے والی

بعض شخصیتیں (جن کی قابل ذکر حد تک اصلاح ہوچکی تھی) وہ اپنی ممتاز سماجی حیثیت کی وجہ سے بادشاہ وقت سے قریب تھیں۔ آپ نے ان کے ذریعہ بادشاہ وقت کی اصلاح کی کوشش کی اور آپ اس کوشش میں بڑی حد تک کامیاب رہے۔ آج کے دور کے حکمرانوں پر اثر انداز ہوکر، ان سے ریاستی نظام میں بہتری اور نظام تعلیم کی صحیح خطوط پر تشکیل کے سلسلہ میں کس طرح کام ہو؟

افسوس کی بات ہے کہ دینی سیاسی جماعتیں سیاست میں حریف بن کر یا تو مدمقابل کی حیثیت سے سامنے آتی ہیں، یا اقتدار میں شریک ہوکر، اقتدار کی خرابیوں کی نذر ہوجاتی ہیں۔ ان میں حکمرانوں کی اصلاح کے لئے حقیقی فکرمندی و دردمندی کا سخت فقداں ہے۔

اس محاذ پر بہتر حکمت عملی کے ساتھ کام کی ضرورت ہے، اس سے حکومتی اداروں کے ذریعہ بڑھتے ہوئے بگاڑ سے بچنے کی کافی بہتر صورت پیدا ہوسکتی ہے۔

کثرت ذکر کے ذریعہ
تہذیب نفس سے پہلے نفلی عبادات کا وبال ہونا

تم نے لکھا تھا کہ اللہ سے وعاد تضرع وزاری اور دوام التجا بہتر ہے یا ذکر کرنا۔ یا ذکر کے ساتھ امور مذکورہ کا ملا دینا بہتر ہے؟ (جواب میں لکھا جاتا ہے کہ) ذکر کے بغیر چارۂ کار نہیں ہے، اس کے ساتھ جو (اچھی) باتیں جمع ہوجائیں، وہ نعمت ہے۔ (مشائخ نے) ''وصول'' کا مدار ذکر پر رکھا ہے، دوسری چیزیں ذکر کے ثمرات ونتائج ہیں۔ تم نے یہ بھی سوال کیا تھا کہ۔

ذکرنفی واثبات (ذکر لاالٰہ الا اللہ) تلاوت قرآن اور طویل قیام کے ساتھ نماز، ان تین چیزوں میں سے کیا چیز بہتر ہے؟ (اس کا جواب یہ ہے کہ (ذکرِ نفی واثبات کی حیثیت وضو جیسی ہے کہ وضو نماز کے لیے شرط ہے، جب تک صحیح طریقہ پر طہارت نہ ہو، نماز شروع کرنا منع ہے۔ اسی طرح جب تک معاملۂ نفی انجام تک نہ

پہونچے، اس وقت تک فرائض وواجبات اور سنتوں کے علاوہ دیگر نفلی عبادات وبال میں داخل ہوں گی، اول اپنے مرض کا ازالہ کرنا چاہیے، مرض کا ازالہ ذکرنفی واثبات کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ اس کے بعد دیگر عبادات وحسنات میں مشغول ہونا چاہیے۔ یہ نفلی عبادات وحسنات ایسی ہیں، جیسی کہ بدن کے لیے صالح غذا ہوتی ہیں، مرض کی موجودگی میں جو بھی غذا کھائی جائے گی، وہ فاسد ومفسد ثابت ہوگی۔ (مکتوب ۱۲، دفتر سوم)

تشریح

اس مکتوب میں جو اہم نکتہ بیان ہوا ہے، وہ یہ ہے کہ جب تک کثرت ذکر کے ذریعہ نفس کی کدورتیں دور نہ ہوں گی، تب تک تکبر وغیرہ کا مالیخولیا موجود ہوگا، یہ فرد کے دل میں دنیا کی چاہت اور اس کی زیب وزینت کا نقش مستحکم کرتا رہے گا اور فرد کا دل مادی دنیا کے حوالے سے زیروزبر ہوتا رہے گا اور نفسی حجابات اور نفسی کدروتوں کی موجودگی میں وصول مع اللہ یعنی اللہ سے مستحکم تعلق قائم نہ ہو سکے گا۔ اس صورت میں نفلی عبادتوں سے دعویٰ اور تکبر جیسی بیماریوں کے بڑھنے کا خطرہ موجود ہے، دوسری نفلی عبادتیں اس وقت نافع ہوں گی، جب کثرت ذکر کے نور کے ساتھ تہذیب نفس کا عمل قابل ذکر حد تک طے ہوجائے گا۔ اگرچہ نقشبندی سلسلہ کا اصل ذکر اسم ذات کا قلبی ذکر ہے، اس ذکر کی محویت عرصہ تک طالب کو دوسرے اذکار کی طرف جانے ہی نہیں دیتی، تاہم متوسط طالب کے لئے لاالہ الا اللہ کا ذکر بھی موجود ہے۔ جس سے اللہ کے سوا سارے بتوں کی نفی کا ملکہ راسخ ہونے لگتا ہے، یہ نکتہ ذہن نشین ہونا ضروری ہے کہ انسانی شخصیت میں موجود نفس پرستی کے بتوں کو توڑنے میں ذکر ہی فیصلہ کن کردار ادا کرتا ہے۔

اخلاص، للھیت، بے نفسی بھی کثرت ذکر ہی سے پیدا ہوتی ہے۔ ذکر چونکہ نفس کے اندر موجود گند کو نکال کر اسے نفس مطمئنہ تک پہنچانے کا ذریعہ ہے۔ اس لئے جب تک کثرت ذکر کے نور سے نفس کی صفائی وتطہیر وتہذیب نہیں ہوتی، تب

تک نفلی عبادات مفید ہونے کی بجائے مضر ثابت ہوتی ہیں، حضرت مجدد نے سلوک کے اس بنیادی اصولی نکتہ کو بیان کر کے راہ سلوک کے طالبوں کی صحیح رہنمائی فرمائی ہے، فنائے نفس کے سفر پر گامزن ہر طالب پر خود یہ بات مشاہد ہوتی رہتی ہے کہ دوران سلوک اس کا جو وقت ذکر کے بغیر گذرتا ہے، اس وقت نفسی قوتیں کس شدت سے اس پر حملہ آور ہوتی ہیں، اس مکتوب سے ایک اہم بات جو واضح ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ معاشرہ میں برپا ہونے والا سارا فساد، ذکروفکر اور خوداحتسابی کے ذریعہ نفسی قوتوں کو پامال اور ذلیل نہ کرنے کی وجہ سے ہی ہوتا ہے۔ اہل سیاست ہوں، یا اہل تجارت، اہل مناصب ہوں یا اہل علم، چونکہ وہ نفسی قوتوں کو فنائیت کے مراحل سے گذارنے کے سب سے بنیادی کام سے غافل ہوتے ہیں، اس لئے ان کا نفس طاقتور ہوتا ہے اور وہ سیاست، تجارت، مناصب اور علم کو اپنے مفادات کی تکمیل اور اپنی انانیت کے بت کے استحکام کے لئے استعمال کرنے لگتے ہیں،جس سے ظلم وفساد برپا ہوتا ہے، گروہ بندی ہوتی ہے، باہم ٹکرا کی صورت پیدا ہوتی ہے اور ایک خاص گروہ دولت پر سانپ بن کر عام افراد پر غربت کو مسلط کرنے لگتا ہے۔

راہ سلوک میں بھی وہ افراد جو راہ سلوک کو مکمل طور پر طے کئے بغیر مشیخیت کے منصب پر فائز ہوگئے ہوں، ان کا نفس بھی ستم ڈھانے لگتا ہے، وہ اپنی بزرگی کو فروغ دینے کے لئے زیادہ سے زیادہ مرید بنانے کی ہوس رکھتا ہے، اس سے اس کے سامنے دومقصد ہوتے ہیں یا تو بڑے پیر اور بزرگ کی حیثیت سے، اس کو شہرت حاصل ہو یا وہ زیادہ سے زیادہ دولت سے مالا مال ہو۔

فنائے مطلق تک رسائی کے بغیر سالک کے نفس کی ان فریب کاریوں سے بچاؤ کی صورت مسدود ہے۔ اگرچہ ایسے بزرگ سے وابستہ افراد کو روحانی طور پر نفع ہی حاصل ہوتا ہو، اس نفع کی حیثیت اس طالب سے حاصل ہونے والے نفع کی سی ہے، جو میٹرک پاس ہے، میٹرک پاس طالب ساتویں کلاس تک کے طلبہ کو پڑھانے

کی استعداد کا حامل ہوتا ہے۔ جب کہ اس کی اپنی تعلیم نامکمل اور ناقص ہوتی ہے۔ نفس کے سارے فتنوں سے بچاؤ کی واحد صورت ذکر وفکر کے مجاہدوں کے ذریعہ مقام فنا تک رسائی ہے، دوسری صورت میں فرد، زندگی کے ہر موڑ پر نفس اور مادیت پرستی کی قوتوں کے خطرات وحملوں سے دوچار رہے گا، حضرت مجدد نے اپنے نور بصیرت سے انسانی نفسیات کی اس بنیادی خرابی کو واضح فرما کر، ہم سب کو متنبہ کیا ہے، اس طرح ایک لحاظ سے ہم پر بہت بڑا احسان فرمایا ہے۔

فنائے نفس کی علامتوں میں سے کچھ علامتیں یہ ہیں، مالداروں کی صحبت سے خوشی کی بجائے اذیت محسوس ہو، ضرورت سے زائد دولت کے حصول کی فکر موجود نہ ہو، فکر آخرت کا ہر وقت استحضار ہو، دل، ہر وقت متوجہ الی اللہ ہو،اللہ کی مخلوق کے کام آنے اور ان کی آخرت بنانے کی فکر غالب ہو۔ طبیعت،مادی دنیا کی سہولتوں سے متمتع ہونے سے کراہت محسوس کرتی ہو۔ اہل دنیا سے استغنا ہو۔محبوب حقیقی کے عتاب کی فکر کا غلبہ ہو، اپنے گناہوں اور سیہ کاریوں پر ندامت کا احساس موجود ہو۔ وغیرہ وغیرہ۔ مرتب)

فقہی مسائل میں لوگوں کو
سہولت دینا چاہے

اگر مشرکوں کا مال نجاست ظاہری قرار پاتا اور وہ نجس العین ہوتے تو حضورﷺ ان کے برتنوں کو ہاتھ تک نہ لگاتے، حالانکہ آپ نے ان کا کھانا کھایا ہے اور پانی پیا ہے، علاوہ ازیں نجس العین ہر وقت نجس العین ہے، اس میں اباحت سابق ولاحق کی گنجائش ہی نہیں، اگر مشرک، نجس العین ہوتے تو چاہیے تھا کہ وہ ابتدا ہی سے ایسے ہوں اور آنحضرتﷺ (شروع ہی سے) اس کے مطابق ان سے معاملہ فرماتے (ان کے برتنوں سے بھی پرہیز فرماتے) جب ایسا نہیں ہوا تو وہ نجس العین بھی نہیں۔ پھر یہ بھی تو ہے کہ دین میں تنگی ودشواری نہیں رکھی گئی۔ تم اس بات

کو سمجھ سکتے ہو کہ ان کی نجاست کا حکم لگانا اور ان کو نجس العین قرار دینا، اس سے
مسلمانوں کی کس قدر تنگی ودشواری پیدا ہوتی ہے۔ ائمہ حنفیہ کا احسان مند ہونا چاہیے
کہ انہوں نے اس سلسلہ میں مسلمانوں کے لیے چھٹکارے کی ایک راہ نکال دی ہے
اور ارتکاب حرام سے بچالیا ہے۔ نہ کہ الٹا ان پر طعنہ کسا جائے اور ان کے ہنر کو
عیب شمار کیا جائے۔ مجتہد پر اعتراض کا کیا موقع ہے، اس کی اجتہادی خطا میں ثواب
ہے اور اس کی اجتہادی خطا کی تقلید بھی موجب نجات ہے، 'جو لوگ کفار کی کھانے
پینے کی چیزوں کے حرمت کے قائل ہیں، عادت کے اعتبار سے مشکل ہے کہ وہ اپنے
آپ کو ان کی چیزوں سے بچائیں۔ خصوصا ہندوستان میں کہ یہاں یہ مجبوری بہت
زیادہ ہے۔ یہ مسئلہ عموی بلوئی کا حکم رکھتا ہے، ایسے مسئلوں میں احتیاط یہی ہے کہ کسی
نہ کسی مجتہد کے قول پر سہل وآسان بات کا فتویٰ دیا جائے۔ چاہے وہ اپنے فقہی
مسلک کے مطابق نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ یُرِیْدُ اللّٰہُ بِکُمُ الْیُسْرَ وَلَا یُرِیْدُ بِکُمُ
الْعُسْرَ (اللہ تعالیٰ تمہاری آسانی چاہتا ہے دشواری نہیں چاہتا)۔ دوسری جگہ فرمایا ہے
یُرِیْدُ اللّٰہُ اَنْ یُّخَفِّفَ عَنْکُمْ وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِیْفًا۔ (اللہ تعالیٰ تمہارا بوجھ ہلکا کرنا چاہتا ہے اور
انسان تو پیدائشی طور پر ضعیف واقع ہوا ہے)۔ (خواہ مخواہ سخت فتویٰ دے کر) مخلوق
خدا کو تنگی میں ڈالنا اور پریشان کرنا حرام ہے اور حضرت حق جل مجدہ کے نزدیک
غیر پسندیدہ فعل ہے۔

شافعیہ بعض ایسے مسائل، جن میں حضرت امام شافعیؒ کے یہاں (کچھ) سختی
ہے، حنفی مذہب کے مطابق فتویٰ دیتے ہیں اور اللہ کے بندوں کے لیے آسانی پیدا
کرتے ہیں۔ مثلا مصارف زکوٰۃ کے بارے میں امام شافعیؒ کے نزدیک یہ ہے کہ
زکوٰۃ کی رقم تمام اقسام مصارف زکوٰۃ میں تقسیم کرنا چاہیے، ان مصارف میں سے
ایک مولفتہ القلوب (جن کی تالیف قلب مدنظر ہوتی ہے) بھی ہیں اور یہ قسم اس
وقت مفقود ہے، لہٰذا علماء شافعیہ نے مذہب حنفیہ کے مطابق فتویٰ دیا ہے اور یہ کافی

سمجھا ہے کہ ان مستحقین زکوٰۃ کی اقسام میں سے کسی ایک قسم کو زکوٰۃ دیدی جائے۔
(مکتوب ۱۵۔ دفتر سوم)

تشریح

علماء کرام کو تاکید فرمائی گئی ہے کہ لوگوں کی مشکلات اور پریشانیوں کو پیش نظر
رکھکر فقہی مسائل میں انہیں سہولت دی جائے، یہ سہولت اگر اپنے فقہی مسلک میں
نہیں ملتی تو دوسرے فقہی ذخیرہ سے دینی چاہیئے، اس لئے کہ اللہ لوگوں کے لئے
آسانیاں چاہتا ہے نہ کہ مشکلات۔

حضرت مجدد جیسی شخصیت کی طرف سے مفتیان کرام وعلمائے دین کو اس طرف
راغب کرنا، بڑی اہمیت کا حامل ہے، عالم ومفتی حکیم ہوتا ہے، اسے اپنے زمانہ کے
لوگوں کی مصیبتوں کو دیکھکر، ان کے لئے مسائل وبحرانوں سے نکلنے میں مدد دے کر
انہیں گناہوں کی دلدل سے نکلنے کا ذریعہ بننا چاہئے۔ موجودہ دور میں اس طرح کی
حکمت عملی کی زیادہ ضرورت ہے۔ مرتب)

مبتدی، متوسط اور منتہی کے ذکر میں فرق

مبتدی طالب کے لیے ذکر کے بغیر کوئی چارہ نہیں، اس لیے کہ اس کی ترقی
ذکر ہی سے وابستہ ہے۔ مگر شرط یہ ہے کہ ذکر کو کسی شیخ کامل ومکمل سے حاصل کیا
ہو، اگر یہ شرط موجود نہ رہی تو اس ذکر کی حیثیت بسااوقات ابرار (نیکوکاروں) کے
وظیفوں کی سی ہوگی، جس کا ثواب تو ملے گا، مگر وہ ذریعۂ قرب نہ بن سکے گا۔ اور
اس سے فرد اس مقام تک نہ پہنچ سکے گا، جہاں، مقربین پہنچ جاتے ہیں۔ ویسے کبھی
کبھار فضل خداوندی شامل ہوسکتا ہے کہ کسی شیخ کے توسط کے بغیر بھی وہ کسی طالب
کی تربیت فرمادے اور کثرت ذکر اس کو مقرب بنادے، بلکہ یہ بھی ممکن ہے کہ کثرت
ذکر کے بغیر بھی اس کو قرب سے مشرف فرمادے اور اپنے اولیا میں شامل کرلے۔

لیکن (شیخ کامل کی) شرط اکثریت سے وابستہ ہے (اور اللہ کی حکمت وسنت یہی ہے) جب فضل خداوندی سے ذکر کے ذریعہ راہ طے ہوجاتی ہے اور نفسانی خواہشات کے جھوٹے معبودوں سے آزادی حاصل ہوجاتی ہے، نیز نفس امارہ، نفس مطمئنہ بن جاتا ہے تو اس وقت مزید ترقی ذکر سے حاصل نہیں ہوتی، بلکہ اس وقت ذکر، ''اورادِ ابرار'' کا حکم رکھتا ہے۔ اُس وقت تو قرب کے مقامات تلاوتِ قرآن اور طویل نماز کے ساتھ حاصل ہوتے ہیں، پہلے جو ترقی ذکر سے حاصل ہوتی تھی، اب وہ تلاوتِ قرآن سے حاصل ہوگی، خصوصا جبکہ تلاوتِ قرآن، نماز کے اندر ہو۔ حاصل کلام یہ کہ آخر میں ذکر، اس تلاوتِ قرآن کا حکم رکھتا ہے، جو ابتداء میں کی جاتی تھی اور جو اس وقت (زیادہ سے زیادہ) نیکوکاروں کے وظیفوں کی حیثیت رکھتی تھی، اب تلاوت کی حیثیت اس ذکر کی سی ہوجاتی ہے، جو ابتدا اور درمیاں میں مقرب تھا، عجیب معاملہ ہے کہ آخر میں اگر ذکر کی تکرار، تلاوت قرآن ہو اور ''اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم'' کے ذکر سے شروع ہو تو اس سے وہی فائدہ حاصل ہوتا ہے، جو تلاوت قرآن سے میسر ہوتا ہے۔ ہر عمل کا ایک وقت اور موسم ہے، اگر اس موقع میں اس کو کیا جائے تو اس سے بہتری پیدا ہوتی ہے اور اس موقع وموسم میں ادا نہ کیا جائے تو بسااوقات وہ خطا بن جاتی ہے۔

اگرچہ نیک عمل ہو، قرأت فاتحہ کو دیکھو۔ تشہد کے موقع پر سورۂ فاتحہ پڑھنی خطا ہے، اگرچہ سورۂ فاتحہ ام الکتاب ہے۔ پس اس راہ میں راہنما مرشد ضروری ہے، اس کی تعلیم وہدایت بھی اہم مہمات سے ہوئی۔

تشریح

اس مکتوب میں راہ سلوک کے پورے سفر کی ترتیب بیان فرمائی گئی ہے، وہ ترتیب یہ ہے کہ جب کوئی طالب بالخصوص نقشبندی سلسلہ کے فنا فی اللہ اور باقی باللہ بزرگ سے اصلاحی تعلق قائم کرتا ہے تو شروع میں قرآن ونوافل سے اس کا ذوق

وشوق پیدا ہونا شروع ہوتا ہے، اور وہ اپنے اندر طاقتور ایمانی کیفیات محسوس کرنا شروع کردیتا ہے۔ لیکن یہ کیفیات چند ماہ تک رہتی ہیں، کسی پر سال اور دو تین سال تک جاری رہتی ہیں، اس کے بعد اس کا دل ذکر کی طرف راغب ہونا شروع ہوتا ہے اور ذکر میں اس کا انہماک اتنا بڑھنے لگتا ہے کہ نوافل وغیرہ سے اس کی طبعی مناسبت باقی نہیں رہتی، وہ جتنا ذکر کرتا ہے، اسی حساب سے دل کی تشنگی بڑھنے لگتی ہے۔ نیز ذکر کے نور سے اس کے نفس کے اندر گندگی کی صفائی بھی ہونے لگتی ہے۔

محبوب کی تجلیات کے زیر اثر وہ قبض وبسط کے حالات سے بھی دوچار ہونے لگتا ہے۔ ایک عرصہ تک مسلسل کثرت ذکر سے جب اس کے نفس کی حالت میں بنیادی تغیر واقع ہوجاتا ہے، تو اس کے لئے اسلامی شریعت پر عمل کرنا آسان ہوجاتا ہے، یہ سلوک اور فنا کا آخری مرحلہ ہوتا ہے۔ اب طالب کے دل میں ذکر سے مناسبت پیدا ہوکر ذکر دل میں راسخ ہونے لگتا ہے۔

اس کے بعد کیفیات میں اول بدل میں بھی غیرمعمولی طور پر کمی واقع ہوجاتی ہے اور اب تلاوت قرآن اور نماز سے اس کے دل کا رشتہ مستحکم ہونے لگتا ہے۔ اس مقام پر طالب کی بیشتر ترقی تلاوت قرآن اور طویل نماز سے ہی ہوتی ہے۔ کثرت ذکر کا درمیانی عرصہ اس لئے مطلوب تھا، تاکہ اندر میں موجود گند، جو تکبر اور حب مال جیسی خرابیوں کی صورت میں موجود ہوتا ہے، اس کی صفائی ہوجائے۔ جب نفس کی یہ صفائی ہوجاتی ہے تو نماز اور قرآن کے ذوق شوق سے وہ عابد وزاہد اور بزرگ اورقرآنی فہم کے ماہر ہونے جیسی دعواؤں سے بچ جاتا ہے۔

فنا کے اس مقام تک پہنچ جانے کے باوجود اگر طالب کا تلاوت قرآن اور نماز سے انہماک کا تعلق مستحکم نہیں ہوتا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ابھی قرب کے مقام تک نہیں پہنچا، یا پھر درمیان میں کوئی ایسا حجاب پیدا ہوگیا ہے، جو اسے اس راہ پر آنے نہیں دیتا، اس صورت میں طالب کو مرشد سے رہنمائی حاصل کرنی چاہئے، اگر مرشد

حیات نہ ہوتو کسی کامل اہل اللہ سے رجوع ہوکر، اس سے رہنمائی حاصل کرنی چاہیۓ۔

اس مکتوب میں راہ سلوک کی یہ پوری ترتیب بیان فرمائی گئی ہے، طالب کو اپنے حالات اسی معیار پر پرکھنے چاہیۓ۔ مرتب)

طبعی خواہشوں کا عبدیت کا منافی نہ ہونا

جب تک طبیعت باقی ہے، خواہشیں قائم ہیں۔گرمی کے وقت طبیعت بے اختیار، سردی کی طرف مائل ہوتی ہے اور سردی کے وقت گرمی کی رغبت ہوتی ہے۔ اس قسم کی خواہشیں عبدیت کے خلاف اور خواہشات نفس کے غلبہ کا سبب نہیں ہیں، اس لیے کہ طبعی ضروریات تکلیف کے دائرہ سے خارج اور نفس کی خواہشات امارہ سے باہر ہیں۔ خواہشات نفس (کا تعلق) ضرورت سے زائد چیزوں سے ہے یا مشتبہ یا حرام سے، اور جو ضروری چیزیں ہے، اس سے نفس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ پس نفس کی گرفتاری وبدکرداری فضول اعمال سے پیدا ہوتی ہے، اگرچہ وہ مباح ہو، اس لیے کہ ضرورت سے زائد کا حرام سے پڑوس کا تعلق ہے۔ اگر بندہ اپنے لعین دشمن، شیطان کے بہکانے سے فضول مباح سے آگے قدم رکھے گا تو بے اختیار حرام چیزوں میں داخل ہوگا، پس مباح ضروری پر قناعت کرنا چاہیۓ کہ اگر اس مقام سے لغزش ہوئی تو فرد (زیادہ سے زیادہ) فضول مُباح میں گرے گا اور اگر فضول مباحات میں سے تعلق ہوگا تو غلطی سے لامحالہ حرام کے دائرے میں مبتلا ہوجائے گا۔ (مکتوب ۲۷ دفتر سوم ملا علی کشمی)

تشریح

طبعی خواہشیں ایسی ہیں، جن سے انسانی زندگی کی بقا وابستہ ہے، کھانا پینا، سونا، جائز جنسی خواہشات کی تسکین وغیرہ، ان سے فرار ممکن نہیں، البتہ اس طرح کی طبعی خواہشات کا غلبہ اور ان کی تکمیل کے لئے حریصانہ صورت غلط ہے، یہ فرد کے

لئے حدود سے تجاوز کرنے کا موجب بن سکتا ہے۔ مرتب)

مومن کے قلب میں
اللہ کی طرف سے واعظ کا مقرر ہونا

بعض خواہشات ایسی ہیں کہ ان کا حصول خارج سے ہوتا ہے ...... اور خارج یا واعظ اللہ تعالٰی ہے، جو نیکیوں کا القا کرتا ہے، اس لیے کہ (حدیث کی رو سے) ہر مومن کے قلب میں اللہ تعالٰی کی طرف سے ایک واعظ موجود ہے۔ یا وہ خارج شیطان ہے کہ اس کا القاء، شر اور عداوت ہوتی ہے۔ (قرآن مجید میں ارشاد فرمایا گیا ہے) ''شیطان ان سے (اپنے متبعین سے) وعدہ کرتا ہے اور ان کو خواہشوں میں مبتلا کرتا ہے اور شیطان ان سے نہیں وعدہ کرتا ہے مگر دھوکے کا۔ (ایضا)

تشریح

اللہ نے ہر فرد میں خیر اور شر دونوں قوتیں ودیعت کی ہیں۔ نیکی کی طرف بڑھنے والے کے لئے خیر کے راستے کھول دیئے جاتے ہیں۔ اور اس پر نیکیوں کا الہام ہونے لگتا ہے۔ فرد، جب نیکی کی راہ پر پورے ذوق وشوق سے چلتا ہے اور تقویٰ اختیار کرتا ہے تو اسے محسوس ہوتا ہے کہ باطن کی گہرائیوں میں کوئی قوت موجود ہے، جو اسے اس راہ پر مستعدی سے چلنے پر ابھارتی رہتی ہے اور ایک نیکی کے بعد دوسری نیکی، دوسری نیکی کے بعد تیسری نیکی کے لئے اکساتی رہتی ہے۔

جب کہ شر کی راہ پر گامزن ہونے والے کے لئے شر کے راستے آسان کردیئے جاتے ہیں۔ مرتب)

نفس امارہ کی طرف سے
اطاعتِ شیطان کی چاہت کا ہونا

ہر وہ فساد، جونفسِ امارہ کی طرف سے ہو،وہ ذاتی مرض ہے،سم قاتل ہے اور

بندگی کے مقام کے منافی ہے اور ہر وہ فساد جو باہر سے آئے، اگرچہ وہ القائے شیطانی ہو، اس کی حیثیت عارضی امراض کی سی ہے، جو معمولی علاج سے زائل ہو سکتا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطَانِ كَانَ ضَعِيْفاً. (بیشک شیطان کا مکر کمزور ہے) ہمارا نفس ہمارے لیے بڑی بلا ہے اور ہمارا جانی دشمن، ہمارا سب سے بُرا ساتھی یہی ہے۔ باہر کا دشمن اسی کی مدد سے ہی ہم پر حاوی ہوتا ہے۔ وہ اسی نفس کی اعانت سے ہم کو ہمارے مقام سے ہٹاتا ہے۔ سب سے جاہل چیز نفسِ امارہ ہی ہے، جو اپنا ہی بدخواہ ہے، اس کا کام اپنے آپ کو ہلاک کرنا ہے اور اس کی بڑی تمنا حق تعالیٰ کی نافرمانی کرنا ہے، جو کہ اس کا اور اس کی نعمتوں کا مالک ہے۔ نیز شیطان کی اطاعت بھی نفس امارہ کی چاہت ہے، وہ شیطان جو کہ اس کا دشمن جانی ہے۔ جاننا چاہئے کہ ذاتی نوعیت کے عارضی مرض نیز داخلی فساد اور خارجی فساد کے درمیان تمیز کرنا بہت دشوار کام ہے۔ اس خوف سے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی ناقص فرد اپنے باطل خیال کی بنا پر خود کو کامل سمجھ کر اپنے ذاتی مرض کو عارضی مرض سمجھ بیٹھے۔ میں اس راز کے لکھنے کی جرأت نہیں کر رہا تھا اور اس حقیقت کا اظہار مناسب نہیں سمجھتا تھا۔ سترہ سال کے قریب ہوگئے ہیں، خود اشتباہ میں تھا اور ذاتی فساد کو عارضی فساد سے ملائے ہوئے تھا۔ اب حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ نے حق کو باطل سے جدا کر کے دکھا دیا اور ذاتی مرض کو عارضی مرض سے جدا کرادیا۔ اللہ تعالیٰ کی حمد ہے اس نعمت پر اور اس کی تمام نعمتوں پر۔ (ایضا)

تشریح

اس مکتوب کا حاصل یہ ہے کہ فساد کی اصل جڑ نفس اور اس کی قوت ہے، نفس کی قوت کی موجودگی میں باطن میں فساد کی اصل موجود رہے گی، خارجی دشمن وہ چاہے شیطان ہو یا مادیت پرستی کی قوتیں، ان کے حملے عارضی نوعیت کے ہوتے ہیں۔ نفس کی چاہت ہوتی ہے کہ وہ خارجی دشمن اس کے معاون بن جائیں، تاکہ

داخل میں موجود رحمانی قوتوں کے اثرات اور دل اور روح کی محبوب کی طرف کشش کو معطل کر کے ختم کر دیا جائے، اس لئے نفس کی داخلی خوفناک قوتوں کو سمجھکر، ہمت سے اس سے مقابلہ کی ضرورت ہے، دوسری صورت میں یہ نفس، فرد کی اس دنیا اور آخرت کی دائمی زندگی میں ہلاکت کا ذریعہ ہوگا۔ موجود دور میں مادیت پرستی کی خارجی قوتوں نے جو شکل اختیار کر لی ہے، اس نے نفس کی قوتوں کو مزید خوفناک بنا دیا ہے اور فرد وافراد پر ہر وقت جنسی جنون، مادی لذتوں میں فنائیت اور دنیاوی نعمتوں سے آخری حد تک بہرہ ور ہونے کی خواہشات کو غالب کر دیا ہے۔ مرتب)

کچھ اہم ہدایتیں

نصیحت جو کی جارہی ہے، وہ یہ ہے کہ اول علمائے اہل سنت وجماعت، جو کہ فرقۂ ناجیہ ہیں، کی آراء کے مطابق، عقائد صحیح ہوں، عقائد کی صحت کے بعد فقہی احکام کے تقاضوں پر عمل کرنا ضروری ہے۔ (شریعت کی طرف سے) جس کا حکم دیا گیا ہے، اس کی بجاآوری اور جس سے باز رکھا گیا ہے، اس سے اجتناب کیے بغیر کوئی چارہ کار نہیں۔ پانچ وقت کی نماز بغیر سستی ونقصان کے، اس کے شرائط کی رعایت کرتے ہوئے اور تعدیلِ ارکان کا لحاظ رکھتے ہوئے ادا کی جائے۔ سونا چاندی نصاب کے مطابق ہو تو زکوٰۃ کی ادائیگی بھی ضروری ہے۔ امام اعظم رحمتہ اللہ علیہ نے عورتوں کے زیور میں بھی زکوٰۃ دینے کو فرمایا ہے۔ اپنے اوقات کو لہو ولعب میں صرف نہ کرنا چاہیے اور لایعنی چیزوں میں قیمتی عمر کو ضائع نہ کیا جائے۔ چہ جائے کہ ان چیزوں میں زندگی صرف کی جائے، جن کے کرنے سے (بہت زیادہ) منع کیا گیا ہے اور جو شرعی اعتبار سے ممنوع ہیں۔ سرودونغمہ کی طرف رغبت نہ کرنی چاہیے اور نہ اس کی لذت پر فریفتہ ہوا جائے۔ اس لیے کہ یہ ایک ایسا زہر ہے، جو شہد اور شکر ملا ہوا ہے۔ غیبت اور چغلخوری سے اپنے کو محفوظ رکھیں، اس لیے کہ ان دو

بداخلاقیوں پر شرعی وعیدیں وارد ہوئی ہیں، جھوٹ بولنے اور بہتان باندھنے سے بھی اجتناب ضروری ہے، اس لیے کہ یہ دونوں خراب عادتیں سارے ادیان میں حرام ہیں اور ان کے کرنے والوں کے لیے بہت سی وعیدیں وارد ہوئی ہیں۔ مخلوق کے عیبوں اور گناہوں کو دبانا، چھپانا اور ان کی لغزشوں سے چشم پوشی کرنا نیکی کے کاموں میں سے ہیں، غلاموں، کنیزوں اور نوکروں پر شفقت اور مہربانی کی جائے ان کے قصوروں کو معاف کیا جائے، موقع بے موقع ان بیچاروں کو مارنا، برا بھلا کہنا اور تکلیف واذیت پہونچانا غیر مناسب بات ہے۔ اپنے قصوروں پر نظر کرنا چاہیے کہ جناب قدس خداوندی میں ہر ساعت واقع ہوتی رہتی ہیں (پھر بھی) اللہ تعالیٰ ان قصوروں کی سزا میں جلدی نہیں فرماتا اور رزق کا دروازہ بند نہیں کرتا۔ عقائد کی صحت اور احکام فقیہ کی ادائیگی کے بعد اپنے اوقات کو ذکر الٰہی میں مستغرق رکھنا چاہئے اور جس طریقہ پر ذکر خدا کو ہم نے اخذ کیا ہے، اسی طرح ذکر کرنا چاہیے۔ ذکر کے خلاف جو چیز بھی ہو، اس کو اپنا دشمن سمجھ کر اس سے اجتناب لازم ہے۔

ہرچہ جز ذکر خدائے احسن است
گر شکر خوردن بود جاں کندن است

خداوند قدوس کی یاد کے سوا جو کچھ ہے، اگر مٹھائی کھانا بھی ہے تو بس جان برباد کرنا ہے۔ (مکتوب ۳۴ دفتر سوم بنام والدہ میر محمد امین)

تشریح

اس مکتوب میں ساری ہدایات ایسی ہیں جو بہت اہم ہیں۔ ان ہدایات پر عمل پیرا ہونے کے لئے ایمان کی قوت مطلوب ہے۔ یہ ایمان، کثرت ذکر ہی سے پیدا ہوگا، جس کی مکتوب کے آخر میں تاکید فرمائی ہے۔ کثرت ذکر، فرد کو ہر بُرائی سے بچنے اور ہر قسم کی نیکی کرنے پر ابھارنے کا سب سے مؤثر ذریعہ ہے۔ مرتب)

کفر کے بعد حق تعالیٰ کو سب سے زیادہ رنجیدہ کرنے والی چیز

قلب، حق سبحانہ کا ہمسایہ ہے اور قلب کی مانند کوئی چیز جناب اللہ تعالیٰ سے نزدیک تر نہیں ہے۔ پس انسانی قلب کو ستانے سے پوری طرح پرہیز کرو، خواہ کوئی بھی ہو، مطیع ہو یا عاصی۔ اس لیے کہ ہمسایے کی حمایت وحفاظت کی جاتی ہے، اگرچہ وہ عاصی کیوں نہ ہو۔ پس قلب کو ایذا پہنچانے سے ڈرو اور بہت ڈرو، کیونکہ کفر کے بعد کوئی گناہ ایسا نہیں ہے، جو حق تعالیٰ کو انسانی قلب کو تکلیف پہونچانے سے زیادہ ہو، اس لیے کہ قلب ایک ایسی قریب ترین شے ہے، جس کے ذریعے افراد، حق تعالیٰ سے واصل ہوتے ہیں۔ ساری مخلوق بندگانِ خدا میں شامل ہے۔ اور یہ بات سب کو معلوم ہے کہ کسی غلام کو مارنا اور اس کی توہین کرنا، اس کے آقا کی ایذا کا سبب ہے،پس خیال کرنا چاہیے، اس آقائے حقیقی کی عظمتِ شان کا، جو مالک مطلق ہے اور اس کا لحاظ کرکے، اس کی مخلوق میں تصرف نہ کیا جائے، مگر اسی قدر جس کا حکم دیا گیا ہے، کیونکہ اتنا تصرف، ایذاء میں داخل نہیں ہے، بلکہ حکم کی بجا آوری میں شامل ہے۔ جیسا کہ بے شادی شدہ زانی کہ اس کی سزا سو کوڑے ہیں، پس اگر کوئی شخص ان سو پر زیادتی کرے گا تو یہ فعل، ظلم اور ایذاء میں شامل ہوجائے گا۔ جاننا چاہیے کہ قلب، مخلوق میں سب سے زیادہ افضل واشرف ہے اور جس طرح مخلوقات میں انسان افضل واشرف ہے، اس کا فضل وشرف عالمِ کبیر میں جو کچھ موجود ہے، وہ اس کے اندر موجود ہے، اسی طرح قلب بھی انسان کی تمام چیزوں کو جامع وکمال بسیط ومجمل ہونے کے باعث افضل واشرف ہے، یعنی انسان میں جو خصوصیت ہے، وہ قلب میں بھی موجود ہے، جس چیز میں اجمال وجمعیت زیادہ ہو تو وہ حق تعالیٰ سے قریب تر ہوتی ہے۔ (مکتوب ۴۵ دفتر سوم، بنام مولانا سلطان سرہندی)۔

تشریح

انسانی قلب کو اذیت پہنچانا، اس اعتبار سے بھی فرد کے لئے نقصاندہ ہے کہ اس سے متاثرہ فرد کی آہیں فرد کا پیچھا کرنے لگتی ہیں، فرد کے لئے انعامات کے راستے مسدود ہونے لگتے ہیں۔ دکھ کی بات یہ ہے کہ موجودہ دور میں افراد کے قلب کو اذیت پہنچانا عام ہوگیا ہے۔ افراد نے اس کو وتیرہ بنایا ہوا ہے، یہ المناک بات ہے، انسانی معاشروں سے خیروبرکت کے اٹھ جانے کا ایک بڑا سبب یہی ہے۔ مرتب)

دنیا کے پیچھے بھاگنے والے کی حالت زار پر اظہار رنج

فقر کی تنگیوں سے بھاگ کر اغنیا کے پاس اپنی التجا لے گئے اور نفس کی لذتوں ونعمتوں سے سازباز کر لی ہے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ (انہوں نے اس سلسلے میں اچھی طرح غور نہیں کیا ہے، اگر وہ مالداروں کی صحبت میں رہ کر بہت ترقی کریں گے تو ہزاری ہوجائیں گے۔ راجہ مان سنگھ سے اونچے نہیں ہو سکتے، جو کہ پنج ہزاری یا ہفتہ ہزاری منصب رکھتا تھا۔ اور بالفرض تم مان سنگھ والے منصب پر بھی پہونچ گئے تو سوچو اور غور کرو تم نے کون سا کارنامہ انجام دیا اور کون سی بزرگی حاصل کرلی؟ کیا فقیری کی حالت میں روٹی نہیں ملتی تھی؟ اب (زیادہ سے زیادہ) یہ ہوگیا کہ گھی سے تر کی ہوئی روٹی کھارہے ہو ۔ وہ حالت بھی گذر گئی، یہ حالت بھی گذر جائے گی، لیکن تصور تو کرو کہ تمہارے ہاتھ سے کیا چیز نکل گئی اور برابر نکلتی جارہی ہے اور تم پہلے سے زیادہ مفلس ہورہے ہو۔ جو شخص اپنے نقصان پر راضی ہو، وہ شفقت وہمدردی کا مستحق نہیں ہوتا۔ اب جبکہ تم اس حالت میں مبتلا ہو ہی گئے تو اس امر کی کوشش کرو کہ استقامت کا راستہ اور شریعت کا اہتمام تمہارے ہاتھ سے نہ چھوٹنے پائے اور باطنی شغل میں بھی کوئی خلل نہ واقع ہو۔

اگرچہ دنیا کے ساتھ اس بات کا جمع کرنا مشکل ہے، اس لیے کہ یہ تو ضدین کا جمع کرنا ہے۔ بس اتنا ہے کہ یہ وضع اور حالت جو تم نے اختیار کرلی ہے اور یہ کار خدمت جس کی جانب تم اب متوجہ ہو، اگر اس میں تصحیح کر لی جائے گی تو داخلِ جہاد ہو کر نیک عمل بن جائے گا۔ لیکن تصحیح نیت ہے مشکل کام۔ آج تو تمہارے سپرد یہ خدمت ہے، جو فی الجملہ اچھی ہے، کل کو شاید کوئی اور ڈیوٹی لگادی جائے، جو عین وبال ہو۔ خلاصۂ کلام یہ ہے کہ یہ مشکل کام ہے ہشیار رہیں۔ خبر کرنا شرط ہے۔
(مکتوب ۵۵ دفتر سوم بنام ممریز خان افغان)

تشریح

اس مکتوب میں سرکاری منصب قبول کرکے، اپنی مصروفیات میں اضافہ کرنے اور مصروفیات کے ساتھ نفس سے معرکہ آرائی کرکے وصول الی اللہ کی منزل کو دشوار تر فرمایا گیا ہے۔ نفس سے مقابلہ کرکے نفس مطمئنہ تک رسائی کے لئے تو ضروری ہے کہ فرد، مادی آسائشوں اور مادی نعمتوں کی قربانی دے اور ان سے دستبرداری اختیار کرے، ورنہ مادی خوشحالی اور محبوب حقیقی کا ملنا، بیک وقت ان دونوں کا حاصل ہونا دشوار تر ہے۔ افراد کا بڑا المیہ یہ ہے کہ ان پر ہر وقت مادی دنیا سے بھرپور استفادہ کا مزاج غالب رہتا ہے۔ دنیادار دوستوں کی صحبت اور عام لوگوں کی دنیادارانہ روش فرد کو دنیا پر ٹوٹ کر گرنے پر مجبور کرتی ہے۔ اس طرح فرد اپنی بیشتر توانائیاں چند روزہ زندگی کو بہتر بنانے میں صرف کرکے، دائمی زندگی کے خسارہ سے دوچار ہونے لگتا ہے۔ یہ انسان اور انسانیت کی ایسی المناک کہانی ہے، جس سے انسانوں کی بہت بڑی اکثریت کی تاریخ وابستہ ہے۔

اس مکتوب سے ایک اہم نکتہ جو واضح ہوتا ہے، وہ یہ ہے کہ جو شخص حکمرانوں، سرکاری افسروں اور مالداروں کے گھیراؤ میں رہتا ہو، وہ چاہے جزوی طور پر راہ سلوک میں ہی کیوں نہ ہو، وہ حالت خطرہ میں ہے۔ اور مالداروں کی صحبت، حب

دنیا کے حوالے سے ان کے جذبات میں مدوجزر پیدا کرے گی، اور مالداروں کی طرح دنیا کو نصب العین بنانے سے بچنا، اس کے لئے غیرمعمولی طور پر دشوار ہوگا۔ دنیا دار اور مادیت پرست افراد کے گھیرے میں رہتے ہوئے ان کے اثراتِ ظلمات سے بچنے کی ایک ہی صورت ہے، وہ ہے عالم ربانی اور اہل اللہ سے صحبت کا مستحکم تعلق قائم ہونا۔

اس تعلق کی وجہ سے ذکروفکر اور عبادت کی سعادت حاصل ہوتی رہے گی اور اور دنیا پرستی کے ظلمات کے اثرات ان شاء اللہ زائل ہوتے رہیں گے۔ دوسری صورت میں حب جاہ وحب مال کے بڑھتے ہوئے جذبات سے رکنے کی صورتیں مسدود ہوجائیں گی، اہل اللہ کا یہی تجربہ ومشاہدہ ہے۔ جس کی وجہ سے وہ طلبہ کو دنیاداروں کی صحبت اختیار کرنے، مالدار سے مالدار تر بننے اور دنیاوی عہدوں پر فائز ہونے سے بڑی شدومد کے ساتھ روکتے رہے ہیں۔ اس سلسلہ میں ہمارے اپنے مشاہدات بھی کافی تلخ ہیں، پچھلے چالیس سال کے دوران ایسے بیسیوں نوجواں ہیں، جن کی تربیت کی کوشش کی، بعض افراد پندرہ پندرہ سال تک ہمارے ساتھ وابستہ رہے، لیکن چونکہ ان پر یہ جنوں سوار تھا کہ وہ بیسویں گریڈ تک پہنچیں اور سروس بھی ایسی ہو، جہاں عزت وشہرت اور دولت حاصل ہو، چنانچہ اچھی سروس اور بہتر گریڈ ملنے کے بعد وہ پوری طرح دنیاداری کی راہ پر گامزن ہوگئے، اور برسوں کے رابطے لمحوں میں توڑ دیئے۔ مرتب)

جمہور علماء اہل حق سے مطابقت

کتاب وسنت سے جمہور علماء اہل حق یعنی علماء اہل سنت وجماعت نے جو معانی ومطالب سمجھے ہیں، وہی معانی ومطالب برقرار رکھنا ضروری ہیں۔ اگر فرض کرو کشف والہام سے ان معانی ومطلب کے خلاف کوئی معنیٰ ظاہر ہوں تو اس کا کوئی اعتبار نہیں۔ ایسی بات سے بچکر پناہ خداوندی کو ڈھونڈنا چاہئے۔ (مکتوب ۲۸۶ بنام امان اللہ فقیہ)

’’میں نے یہ جو کہا ہے کہ علماء حق کے سمجھے ہوئے معانی قابل اعتبار ہیں اور ان کے خلاف معتبر نہیں، اس وجہ سے کہا ہے کہ علماء حق نے ان معانی کو صحابہ کرام اور سلف صالحین کے اقوال کی تلاش وجستجو کرکے لیا ہے اور ان ہدایات کے ستاروں (صحابہ کرامؓ) کے انوار سے استفادہ کیا ہے۔ لہٰذا نجات اخروی اور فلاح سرمدی ان علماء حق کو نصب ہوئی۔ یہ اللہ والوں کا گروہ ہے اور اللہ والوں کا گروہ ہی فلاح پانے والا ہے۔ اگر کچھ علماء اپنے اعتقاد کو صحیح رکھتے ہوئے فروعی مسائل میں کچھ سستی برتیں اور اعمال میں کوتاہی کا ثبوت دین تو اس سے تمام علماء سے برگشتہ ہونا اور سب کو نشانہ ملامت بنانا محض بے انصابی اور دھاندھلی کی بات ہے، بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ اس صورت میں ضروریات دین سے ایک قسم کا انکار پایا جاتا ہے، اس لئے کہ یہ علماء ہی تو ضروریات دین کو ہم تک منتقل کرنے اور کھرے کھوٹے کو پہنچاننے والے ہیں، اگر علماء حق کا نور ہدایت نہ ہوتا تو ہم ہدایت نہ پاسکتے۔ وہ حضرات صحیح وغلط کو جواز کرتے تو ہم گمراہ ہوجاتے۔ علماء حق ہی نے دین مبین کا کلمہ بلند کرنے میں اپنی پوری طاقت صرف کی ہے۔ انہوں نے ہی کثیر التعداد لوگوں کو صراط مستقیم پر چلایا ہے، پس جس نے ان حقانی علماء کی پیروی کی وہ نجات پاگیا اور جس نے ان کی مخالفت کی، وہ خود گمراہ ہوا اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا، اور جس طرح اعتقاد بمطابق کتاب وسنت ضروری ہے، اسی طرح کتاب وسنت پر عمل بھی اس طریقے پر کرنا ضروری ہے، جس طرح ائمہ مجتہدین نے کتاب وسنت سے احکام اخذ کرکے بتایا ہے۔

ایک مقلد کو یہ حق نہیں ہے کہ مجتہد کی رائے کے خلاف خود کتاب وسنت سے احکام اخذ کرکے اس کے مطابق عمل کرے۔ (ایضا)

تشریح

اس مکتوب میں سلف صالحین کی دینی تشریحات، قرآن وحدیث کے ان کے

متعین کردہ معنیٰ ومفہوم کی صحت پر زور دیا گیا ہے، اس لئے کہ انہوں نے صحابہ کرام، تابعین کرام اور نور نبوت کے اجزاء سے ہی یہ معنیٰ ومفہوم اخذ کیا ہے۔

حضرت مجدد کا بیان کردہ یہ نکتہ ایسا ہے، جو فہم دین اور تعبیر دین وتشریح دین کے بارے میں فیصلہ کن اہمیت کا حامل ہے، اس نکتہ کی خلاف ورزی کی نتیجہ میں ایک تو قرآن وسنت کا متعین کردہ وہ مفہوم، اس کی صحیح نصب العینی تشریح، اس کے صحیح اہداف اور فرائض وواجبات کا وہ تسلسل، جس پر امت صدیوں سے گامزن رہی ہے، اس سے انحراف کی روش پیدا ہوجاتی ہے، دوم یہ ہے کہ دین کی نئی نئی تعبیرات اور نئے نئے مقاصد متعین ہونے لگتے ہیں، سوم یہ کہ تعبیر دین وتشریح دین کے نام پر امت میں نئی نئی گروہ بندیاں وجود میں آنے لگتی ہیں، جو اپنے علاوہ دوسروں کی تکذیب کی راہ پر گامزن ہوتی ہیں۔

چوتھے یہ کہ سلف صالحین کی مسلمہ اہمیت کے مجروح ہوجانے کی وجہ سے ان کے علوم سے بے بہری کی وجہ سے سزا ملنے لگتی ہے کہ دین کے نام پر ایک دوسرے سے تصادم کی فضا غالب ہوجاتی ہے، دین کے نام پر نفس پرستی کی داخلی قوتوں کا ادراک سلب ہوجانے کی وجہ سے ان کا غلبہ ہونے لگتا ہے، دین کے نام پر شخصیت کی تعمیر واستحکام کی بجائے چند ظاہری مراسم پر ہی ساری توانائیاں صرف ہونے لگتی ہیں۔

سلف صالحین کے دینی مفہوم اور دینی مقاصد سے ہٹ کر، نئے دینی مقاصد متعین کرنے کے پس پردہ جو چیز کارفرما ہوتی ہے، وہ اکثر دعوئی کا جذبہ ہی ہوتا ہے، یہ دعوئی ہی اہل علم کو خودرائی کے ذریعہ اپنی ذہانت اور اپنے علم سے دین کے نئے معنیٰ ومفہوم اور نئے مقاصد متعین کرنے پر اکساتی ہے۔

کتنا بڑا نقصان ہے، جو اہل علم کے دعوئی اور علمی زعم کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے، جس کی سزا امت کو تقسیم در تقسیم اور سلف کے صحیح دینی فہم سے دوری کی صورت

میں ملتی ہے۔

خارجیت جدید ہو یا قدیم، خارجیت کی پرانی شکلیں ہوں یا نئی شکلیں، وہ سب علمی زعم اور دعوئی ہی کا نتیجہ ہوتی ہیں، یہ دعوئی ہی ہوتی ہے، جو خارجی ذہن کے حامل افراد کو صحابہ کرام اور سلف صالحین کے دینی فہم کو ناقص قرار دے کر، اپنے فہم سے دین کے نئے معنیٰ ونئے مقاصد متعین کرنے پر مجبور کرتی ہے۔ اسی لئے علمائے ربانی نے دعوئی وتکبر کو ام الامراض قرار دیا ہے، دعوئی اور تکبر کی ان خطرناکیوں کو دیکھا جائے تو اس کی اصلاح کی اہمیت کتنی واضح ہوتی ہے کہ اس کے بغیر اہل علم معاشرہ کو اپنے ظاہری علم کی وجہ سے جتنا بھی نقصان پہنچا سکیں، کم ہے۔

اس پس منظر میں حضرت مجدد کا بیان کردہ یہ نکتہ کہ سلف صالحین کے دینی مفہوم کو حرف آخر سمجھکر، اس پر مستحکم ہونا، یہ ایمان کی سلامتی کے لئے ضروری ہے، نہایت اہم نکتہ ہے۔ جسے ہر صورت میں پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔

اس کا سبب یہ بھی ہے کہ علمائے ربانی سے علوم حاصل کئے بغیر ایک تو صحیح دینی مقاصد اور صحیح دینی اہداف معلوم نہیں ہوتے۔ دوم یہ کہ نفس کے خلاف مجاہدے نہ ہونے وجہ سے علم کی زیادتی کی وجہ سے نفس کی قوت عالم وفاضل ہونے کی حیثیت سے پوری شدت سے کارفرما ہونے لگتی ہے اور اہل علم کو اطلاع ہوئے بغیر وہ امت کے پورے تسلسل کے خلاف اسلام کی ایسی تشریح کرنے پر آمادہ ہوجاتا ہے، جس سے امت کا تسلسل متاثر ہوتا ہے اور دینی مقاصد بدل جاتے ہیں۔

قرآن کی ایسی تشریح، جس میں اپنے دور کے حالات وضروریات اور نظریات سے شعوری یا غیرشعوری طور پر متاثر ہوکر، جدیدیت سے ہمہ آہنگی پیدا ہو یا قرآن کی تشریح میں اسلام کے کسی ایک فرض کو دین کے نصب العین کی حیثیت سے پیش کرکے، ساری دینی تعلیمات کو اس کے تابع کر دیا گیا ہو، یہ کام چاہے کتنے ہی اخلاص سے کیا گیا ہو، بظاہر چاہے اس سے کتنے ہی مفید اثرات محسوس ہوتے ہوں،

لیکن قرآن کی یہ تشریح بھی دین کے نام پر معاشرہ میں نئے گروہوں کو جنم دے گی اور سلف کی قرآنی تشریح سے مختلف ہونے کی وجہ سے سلف کے تسلسل سے انحراف کا موجب ہوگی اور قرآن کی روح اور اس کے مقاصد کے منافی ہوگی۔

حضرت مجدد کا یہ مکتوب ہم سب کے لئے لمحہ فکریہ ہے کہ دینی مقاصد کے فہم اور دین کی ترتیب اور فرائض وواجبات کے ان کے متعین کردہ نقوش سے سرمو انحراف بھی فردوافراد اور خود امت کو نقصان عظیم سے دوچار کرنے کا موجب ثابت ہوگا۔ مرتب)

دور ابتلاء میں اپنے فرزندوں کے نام مکتوب گرامی

"الحمد لله رب العلمين فی السراء والضراء وفی الیسر وفی العسر والنعمة والنقمة وفی الرحمة والزحمة وفی الشدة والرخاء وفی العطیت والبلاء والصلوٰة والسلام علیٰ من ما او ذی نبی مثل ایذائه وما ابتلی رسول مثل ابتلائه ولهذا صار رحمة للعلمین وسید الاولین والاخرین."

ترجمہ: خوشی اور رنج اور تنگی وفراخی اور نعمت وعذاب اور رحمت وزحمت اور دکھ وسکھ اور عطاء وبلا میں اللہ رب العلمین کی حمد ہے اور صلوۃ وسلام ہو اس رسول ﷺ پر جس کے برابر کسی اور رسول کو ایذا نہیں دی گئی اور نہ ہی اس جیسا کوئی نبی بلاء میں مبتلا ہوا ہے، اسی واسطے تمام اہل جہان کے لئے رحمت اور اولین وآخرین کے سردار بن گئے۔

اے فرزندان عزیز! ابتلا کا وقت اگرچہ تلخ وبے مزہ ہوتا ہے، لیکن اگر فرصت دیں تو غنیمت ہے، تم کو اب فرصت مل گئی ہے، اللہ تعالیٰ کی حمد بجالاکر، اپنے کام میں لگے رہو اور ایک دم بھی فراغت وآرام اپنے لئے پسند نہ کرو، اور تین چیزوں میں سے ایک میں ضرور مشغول رہو، قرآن مجید کی تلاوت کرو یا لمبی قرأت کے ساتھ نماز کو ادا کرو یا کلمہ طیبہ لاالہ الا اللہ کا تکرار کرتے رہو۔

کلمہ "لاالہ" کے ساتھ حق تعالیٰ کے سوا تمام جھوٹے خداؤں اور اپنے نفس کی نفی کرنی چاہئے، اور اپنی تمام مرادوں اور مقصدوں کو دفع کرنا چاہیئے، کیونکہ اپنی مراد کا طلب کرنا، اپنی الوہیت کا دعویٰ کرنا ہے، بلکہ سینہ میں کسی مراد وخواہش کی گنجائش نہ رہے اور دل میں کوئی ہوس باقی نہ رہے، تاکہ بندگی کی حقیقت حاصل ہو، اپنی مراد کا طلب کرنا گویا اپنے مولا کی مراد کو دفع کرنا اور اپنے مالک کے ساتھ مقابلہ کرنا ہے، اس امر میں اپنے مولیٰ کی نفی اور اپنے مولا بننے کا اثبات ہے۔

اس امر کی برائی اچھی طرح معلوم کرکے، اپنی الوہیت کے دعویٰ کی نفی کرو تاکہ تمام ہوا وہوس سے کامل طور پر پاک ہوجاؤ، اور طلب مولیٰ کے سوا تمہاری کوئی مراد باقی نہ رہے، یہ مطلب اللہ تعالیٰ کی عنایت سے بلاء وابتلاء کے زمانہ میں بڑی آسانی سے میسر ہوجاتا ہے اور اس زمانے کے سوا ہوا وہوس سد سکندری ہے۔

گوشہ میں بیٹھ کر اس کام میں مشغول رہو کہ اب فرصت غنیمت ہے، فتنہ کے زمانے میں تھوڑے کام کو بہت اجر کے عوض قبول کرلیتے ہیں اور فتنہ کے زمانے کے سوا سخت ریاضتیں اور مجاہدے درکار ہیں، اطلاع دینا ضروری ہے، شاید ملاقات ہو یا نہ ہو، یہی نصیحت ہے کہ کوئی مراد وہوس باقی نہ رہے، اپنی والدہ کو بھی اس امر پر اطلاع دے دو اور اسے اس پر عمل پیرا ہونے کی ترغیب دو، باقی احوال چونکہ یہ جہاں فانی اور گذرنے والا ہے، کیا لکھے جائیں، چھوٹوں پر شفقت رکھو اور ان کو پڑھنے کی ترغیب دو، اور جہاں تک ہو سکے، تمام اہل حق کو ہماری طرف سے راضی کرو اور ایمان کی سلامتی کی دعا سے ممدومعاون رہو۔

بار بار یہی لکھا جاتا ہے کہ اس وقت کو بے ہودہ امور میں ضائع نہ کرو، اور ذکر الٰہی کے سوا کسی کام میں مشغول نہ ہو، اب کتابوں کے مطالعہ اور طلباء کے تکرار کا وقت نہیں ہے، اب ذکر کا وقت ہے، تمام نفسانی خواہشوں کو جو جھوٹے خدا ہیں، لا کے نیچے لاکر سب کی نفی کردو اور کوئی مرادومقصود سینے میں باقی نہ رہنے دو، حتی کہ

میری خلاصی بھی جو کہ تمہارے لئے نہایت ضروری ہے، تمہاری مراد ومطلوب نہ ہو، اور حق تعالیٰ کی تقدیر اور فعل اور ارادہ پر راضی رہو، اور کلمہ طیبہ کے اثبات کی جانب میں غیب ہویت کے سوا جو تمام معلومات ومتخیلات کے وراء الوراء ہے کچھ نہ رہے۔

حویلی وسرائے وچاہ وباغ اور کتابوں اور دوسری تمام اشیاء کا غم سہل ہے، ان میں سے کوئی چیز تمہارے وقت کی مانع نہ ہو اور حق تعالیٰ کی مرضیات کے سوا تمہاری کوئی مراد ومرضی نہ رہے، اگر مرجاتے تو یہ چیزیں بھی چلی جاتیں، بہتر ہے کہ ہماری زندگی میں چلی جائیں، تا کہ کوئی فکر نہ رہے، اولیاء نے ان امور کو اپنے اختیار سے چھوڑا ہے، ہم حق تعالیٰ کے اختیار سے ان امور کو چھوڑ دیں اور شکر بجالائیں۔

امید ہے کہ مخلصین بفتح لام میں سے ہوجائیں گے، جہاں تم بیٹھے ہو،اسی کو اپنا وطن خیال کرو، چند روزہ زندگی جہاں گذرے، یادحق میں گذرجائے، دنیا کا معاملہ آسان ہے، اس کو چھوڑ کر آخرت کی طرف متوجہ رہو اور اپنی والدہ کو تسلی اور آخرت کی ترغیب دو، باقی رہی ایک دوسرے کی ملاقات، اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا تو ہورہے گی،ورنہ اس کی تقدیر پر راضی رہو اور دعا کرو کہ دارالسلام میں جمع ہوں اور دنیاوی ملاقات کی تلافی کو اللہ تعالیٰ کے کرم سے آخرت کے حوالہ کریں۔

الحمد اللہ علی کل حال. (ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی حمد ہے)

تشریح

دور ابتلا میں اپنے فرزندوں کو لکھے گئے اس خط میں حضرت مجدد نے اپنے پاکیزہ جذبات واحساسات کی عطر منتقل فرما دی ہے کہ یہ چند روزہ زندگی اگر اللہ کے ذکر سے معمور نہیں ہے تو خسارہ ہی خسارہ ہے۔ دنیا کا نفع اور خسارہ بندہ مؤمن کے لئے کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ کثرت ذکر کے بغیر نفس کی دعوائے الوہیت میں فرق واقع ہونا دشوار ہے، کثرت ذکر ہی مقصود ہے اور اسی سے خواہشات نفسانی جو، جوٹھے خدا ہیں، ان سے نجات کی صورت پیدا ہوسکتی ہے اس مکتوب سے ایک اہم

نکتہ جو واضح ہوتا ہے، وہ یہ ہے کہ اہل اللہ کو کثرت ذکر کے نور سے ان کے نفس میں جو لطافت پیدا ہوتی ہے اور محبوب حقیقی سے جو قریبی نسبت پیدا ہوتی ہے، نہ صرف یہ کہ اس میں کمی نہ آنے پائے، بلکہ اس میں مسلسل ارتقاء ہو، ذکر کے بارے میں ان کی غیر معمولی فکرمندی کا سبب یہی ہوتا ہے کہ یہ نفس نامراد، محبوب سے تعلق میں کمی نہ آنے دے۔

حضرت مجدد کی طرف سے اپنے فرزند ارجمند، جو خود بزرگوں کی صف میں منفرد شخصیت کی حامل ہیں۔ جب انہیں ذکر کے سلسلہ میں اتنی شدت سے تاکید کررہے ہیں تو ہم جیسے عامی افراد کے لئے تو اس تاکید میں مزید شدت آجاتی ہے کہ محبوب سے ذکر کے ذریعہ تعلق میں کمی ہرگز نہ آنے پائے، ورنہ یہ نفس نامراد الوھیت کے دعویٰ سے کم پر راضی نہ ہوگا، ہمیں سنبھلنے اور قیمتی وقت کی قدر کرنے کی ضرورت ہے۔ مرتب)

محبوب کا عتاب
محبوب کے انعام سے زیادہ لذت بخش ہونا

تم نے جفا وملامت خلق کی شکایت لکھی تھی۔ (برادرم) خلق کی یہ ملامت تو اس صوفیاء کے گردہ کا جمال ہے اور ان کے زنگار کا صیقل ہے، پھر رنجیدگی کا باعث کیوں ہو؟ فقیر جب اُس قلعۂ گوالیار میں (بحکمِ جہانگیر) پہونچا تو شروع شروع میں محسوس ہوتا تھا کہ خلق کے ملامت انوار مختلف شہروں اور بستیوں سے نکل کر سحابہائے نورانی کی طرح پے درپے پہنچ رہے ہیں اور کام کو پستی سے اٹھاکر بلندی کی طرف لے جارہے ہیں۔ تم سالہا سال جمالی تربیت کے ساتھ منازل طے کرتے رہے ہو،اب جلالی تربیت کے ساتھ بھی سفر طے کرو اور مقامِ صبر بلکہ مقام رضا میں رہو۔ جمال وجلال کو مساوی جانو۔ تم نے لکھا تھا کہ ظہورِ فتنہ کے وقت سے (یعنی آپ کے قید میں جانے کے وقت سے) نہ ذوق باقی رہا، نہ حال، (ارے بھائی)

چاہیے تو یہ تھا کہ اب ذوق وحال میں اور اضافہ ہوجاتا، اس لیے کہ محبّ کا عتاب محبوب کے انعام سے زیادہ لذت بخش ہوتا ہے۔ تعجب ہے کہ تم بالکل عوام الناس کی سی باتیں کرتے ہو اور محبت ذاتیہ سے دور ہوگئے ہو (ایسی باتیں نہ کرو بلکہ) اس کے برخلاف، جلال کو جمال سے بڑھ کر سمجھو۔ مصیبت کو انعام سے زیادہ تصور کرو، اس لیے کہ جمال وانعام میں تو محبوب کی مراد ہماری اپنی مراد سے ملی جلی ہوتی ہے، اور جلال اور مصیبت میں خالص، محبوب کی مراد ومرضی شامل ہوتی ہے، ہماری مرضی کے خلاف ابتلا ومصیبت کا وقت جمال وانعام کے وقت سے اونچا ہوتا ہے۔ دونوں میں بہت بڑا فرق ہے۔ (مکتوب ۲ دفتری سوم بنام شیخ بدیع الدین)

تشریح

اس مکتوب میں بہت اہم نکتہ بیان فرمایا گیا ہے،وہ یہ کہ محبوب کی طرف سے پیش آنے والی تکلیف ومصیبت اور اس کے جلال کا عکس، یہ محبوب کے انعام سے زیادہ اہم ہوتا ہے، اس لئے کہ محبوب کے جمال اور انعام میں تو فرد کی اپنی مرضی وخواہش شامل ہوتی ہے،جب کہ محبوب کے جلال اور مصیبت وتکلیف میں خالص محبوب کی مرضی کی شامل ہوتی ہے۔

اس مکتوب میں ان سارے طالبوں کی تربیت فرمائی گئی ہے،جو محبوب کے جلال اور تکلیف کو اپنے لئے عتاب سمجھکر، غیرمعمولی طور پر رنجیدہ ہوتے ہیں اور ان پر یاس کے خیالات غالب آنے لگتے ہیں۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ محبوب کی طرف سے ہونے والے رنج وغم وتکلیف میں طالب ہی کی بہت ساری مصلحتیں پوشیدہ ہوتی ہیں۔ اس سے ایک تو طالب کی تربیت مقصود ہوتی ہے کہ اسے استحکام حاصل ہو، اس کا محبوب کے سوا سب سے رشتہ منقطع ہو، نیز اس کی شخصیت میں یہ صلاحیت پیدا ہو کہ وہ محبوب کی طرف سے پیش آنے والی مصیبت اور اس کے جلال وانعام دونوں کو یکساں سمجھنے کی نفسیات کا حامل ہو۔ نیز انعام سے طالب کی وہ ترقی نہیں ہوتی،جو

جلال اور الم سے ہوتی ہے۔

طالب اگر ان نکات کو پیش نظر رکھے تو وہ محبوب کے عتاب اور اس کے جلال سے نہ تو مایوس ہوگا، نہ ہی خوف زدہ۔ مرتب)

افضلیت کا معیار

اہم بحث

بعض لوگ دوسروں کے کثرت سے فضائل کو دیکھتے ہوئے حضرت صدیق کی افضلیت میں تامل سے کام لیتے ہیں اور نہیں جانتے کہ اگر افضلیت کا سبب فضائل کا بکثرت ہونا ہوتا تو امت کے بعض لوگ جو بہت سے فضائل رکھتے ہیں،اپنے نبی سے افضل ہوتے ہیں، جن کی ہستی میں یہ فضائل نہیں۔ (مثلا ساری ساری رات عبادت میں مصروف ہونا، ہمیشہ روزوں کی حالت میں رہنا۔ وغیرہ۔ مرتب)

پس معلوم ہوا کہ افضلیت کا باعث ان فضائل اور مناقب کے سوا کچھ اور چیزیں ہیں اور اس فقیر کی نظر میں وہ چیزیں دین کی سب سے زیادہ تائید کرنا اور اللہ کے دین کے فروغ کے لئے مال وجان خرچ کرنے میں پیش پیش ہونا ہے،چونکہ پیغمبرﷺ اُمت کے پیشوا وہادی ہیں، اس لئے آپ سب سے افضل ہیں، اسی طرح جوشخص ان معاملات میں سب سے آگے ہے، وہ دوسروں سے افضل شمار ہوگا، سابق یعنی پہلا شخص گویا امر دین میں پچھلوں کا اُستاد ومعلم ہے۔ بعد کے لوگ ان کے انوار سے استفادہ کرتے ہیں اور ان کی برکات سے فیض یاب ہوتے ہیں۔ چونکہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد اس دولت عظمیٰ کے صاحب حضرت صدیق اکبرؓ ہی ہیں،جو دین کی تائید ومدد اور حضرت سید المرسلینﷺ کی مدد اور اور بُرائی کے خاتمہ کے سلسلہ میں جان ومال کے خرچ کرنے اور اپنی عزت وجاہ کی پرواہ نہ کرنے میں تمام سابقین میں سب سے آگے ہیں، اس لئے سب پر آپ کی فضیلت مسلم ہے اور چونکہ حضورﷺ نے فروغ اسلام اور غلبہ اسلام کے لئے حضرت فاروقؓ کی مدد طلب کی ہے اور حق تعالیٰ نے عالم اسباب میں اپنے حبیب کی مدد کے لئے انہی کو کافی سمجھا ہے۔ (اس

لئے اس کے بعد انہی کا مرتبہ ہے) (بنام میر محمد نعمان، مکتوب ۹۹ دفتر دوم)

تشریح

حضرت مجدد کے اس مکتوب سے ایک اہم نکتہ جو عیاں ہوتا ہے، وہ یہ ہے کہ اللہ کے دین کے غلبہ اور فروغ کا کام ایسا ہے، جو فرد وافراد کے درجات کی بلندی اور فضیلت کا ذریعہ ہے۔ حضرت ابابکر صدیق اور حضرت عمرؓ نے اس سلسلہ میں جو کردار ادا کیا، وہ چونکہ سب سے زیادہ ہے، اس سلسلہ میں ان کی سرفروشی، جانثاری اور فداکاری بے مثال ہے۔ اس لئے امت میں افضلیت کا مقام انہی حضرات کو حاصل ہے۔

اس نکتہ کو بنیاد بنا کر، اگر دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ وہ شخصیتیں جو اللہ کے دین کے غلبہ وفروغ کے لئے اخلاص وبے نفسی کے ساتھ اپنی ساری توانائیاں صرف کرتی ہیں، وہ ان خلوت نشینوں سے افضل ہیں، جو دنیا سے بے نیاز ہو کر، گوشہ نشین ہیں اور صرف وصرف محبت میں مستغرق ہیں۔ جہاں تک اصلاح نفس کے لئے کچھ عرصہ کے لئے خلوت کا تعلق ہے تو وہ تو ایک حد تک ضروری ہے، لیکن قابل ذکر حد تک اصلاح کے بعد بھی دعوت دین اور فروغ دین کے کاموں سے دلچسپی نہ رکھنا، یہ اللہ کے دین کی مظلومیت کے احساس سے عاری ہونے کی علامت ہے۔

موجودہ دور میں دیکھا گیا ہے کہ اچھے خاصے بزرگوں کو مرید بنانے کے کام سے تو غیر معمولی دلچسپی ہے، لیکن مریدوں کی تربیت کی فکر کا ہونا، ان کی صحیح خطوط پر ذہن سازی کرنا اور مختلف میدانوں میں دین کو درپیش خطرات اور چیلنج کو سمجھنے اور اس سلسلہ میں اپنے کردار کی ادائیگی کی فکر نہ ہونے کے برابر ہے۔ حالانکہ بزرگی کے نام پر انہیں بے پناہ وسائل اور سہولتیں بھی حاصل ہیں، وہ اگر فکر، درد اور بہتر حکمت عملی سے کام لیں تو لادینیت کی ہمہ گیر تحریک کے مقابلہ کی بہتر صورت پیدا ہو سکتی ہے۔

حضرت مجددؒ اور حضرت شاہ ولی اللہؒ نے دین کی خدمت کے کاموں کو

افضلیت کا معیار قرار دے کر، ہم سب کے لئے صحیح فکری خطوط متعین فرما دیئے ہیں۔ کاش کہ ان کے علمی اور فکری خطوط کے فہم کی صورت پیدا ہو۔

اپنے دوستوں کے لئے دنیا میں
مصیبتوں کا راز

آپ نے پوچھا ہے کہ کیا بات ہے کہ انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام اور اولیاء علیہم الرضوان دنیا میں اکثر بلا ومصائب اور رنج وتکلیف میں مبتلا وگرفتار رہے ہیں۔ جیسے کہ کہا گیا ہے۔ "**اشد الناس بلاء الانبیاء ثم الاولیاء ثم الامثل فالامثل**" (لوگوں میں زیادہ بلا وآزمائش میں مبتلا ہونے والے انبیاء ہیں، اس کے بعد اولیاء اس کے بعد ان سے مشابہت پیدا کرنے والے بعد ازاں ان سے قریب ہونے والے۔) اور حق تعالیٰ اپنی کتاب مجید میں فرماتا ہے۔" وَمَا أَصَابَكُم مِّن مُّصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ " (جو مصیبت تم پر آتی ہے وہ تمہارے ہاتھوں کی کمائی کا نتیجہ ہوتی ہے) اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص زیادہ برائیاں کرے، اس پر زیادہ مصیبتیں آتی ہیں تو چاہئے کہ انبیاء اور اولیاء کے سوا دوسرے لوگ بلا ومصیبت میں گرفتار ہوں اور پھر اولیاء انبیاء اور نیز یہ بزرگوار حق تعالیٰ کے محبوب اور اس کے خواص مقربین ہیں۔ حق تعالیٰ اپنے محبوبوں اور خواص مقربوں کو تکالیف ومصیبتوں میں مبتلا کیوں کرتا ہے اور دشمنوں کو ناز ونعمت میں اور دوستوں کو رنج ومصیبت میں کیوں رکھتا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ آپ کو سعادت مند کرے اور سیدھے راستہ کی ہدایت دے، آپ پر واضح ہو کہ دنیا کی یہ زندگی نعمت ولذت کے لئے نہیں ہے، بلکہ آخرت کی تیاری کا ذریعہ ہے، جو نعمت ولذت ہی کے لئے تیار کی گئی ہے۔ چونکہ دنیا اور آخرت ایک دوسرے کی ضد اور مخالف ہیں اور ایک کی خوشی وبہتری دوسرے کی ناراضگی سے وابستہ ہے۔ اس لئے دنیا میں لذت پانا، آخرت میں رنج والم کا باعث ہوگا۔ پس انسان، دنیا میں جس قدر لذت ونعمت کے ساتھ رہے گا، وہ آخرت میں

اسی قدر زیادہ رنج والم اٹھائے گا۔ اسی طرح جو شخص دنیا میں زیادہ تر رنج والم میں مبتلا ہوگا، آخرت میں وہ اسی قدر زیادہ ناز ونعمت میں ہوگا۔ کاش، دنیا کی بقا کو آخرت کی بقا کے ساتھ وہی نسبت ہوتی، جو قطرہ کو دریائے محیط کے ساتھ ہوتی ہے۔ ہاں متناہی کو لامتناہی کے ساتھ کیا نسبت ہوگی۔ اسی لئے دوستوں کو اپنے فضل وکرم سے دنیا کی چند روزہ زندگی میں مصیبت وتکلیف میں مبتلا کیا ہے، تاکہ وہ دائمی زندگی میں ناز ونعمت سے مسرور ہوں اور دشمنوں کو مکر واستدراج کے طور پر تھوڑی سی لذتوں کے ساتھ لذتیاب کر دیا ہے، تاکہ وہ آخرت میں بے شمار رنج والم میں گرفتار رہیں۔ (ایضا)

تشریح

اللہ کے طالبوں پر ایک عرصہ تک یہ رنج غالب رہتا ہے کہ نفس، اللہ کی اطاعت پر راضی نہیں، اللہ کی اطاعت نفس کے لئے شدید دشوار ہے، نفس کے اس خوفناک درندہ کو کس طرح اللہ کی راہ پر گامزن کیا جائے، طویل عرصہ تک کی یہ فکرمندی انہیں نفس کے خلاف مجاہدوں پر آمادہ کرتی ہے۔ مسلسل مجاہدوں کی وجہ سے انہیں دنیا کے کم سے کم حصہ پر راضی رہنا پڑتا ہے۔ مجاہدوں سے ان کا اعصابی نظام بُری طرح متاثر ہوتا ہے۔ محبوب کے لئے نفس کو مطیع کرنے کا یہی وہ رنج وغم ہوتا ہے، جو انہیں دنیا مافیھا سے بے نیاز کرکے، اس مجاہدہ میں مصروف رکھتا ہے، اس طرح چند روزہ زندگی کو وہ مجاہدوں ومشقتوں میں گذار کر، دائمی زندگی کی مسرتوں سے بہرہ ور ہوتے ہیں۔

اہل اللہ کی نظر میں مصیبتوں کے بغیر دنیا کا بے وقعت ہونا

جب تک دنیا میں چند روزہ مشقتوں اور تکلیفوں کو برداشت نہ کیا جائے، تب تک آخرت کی لذت ونعمت اور دائمی صحت وعافیت کی نعمت کی قدر نہ ہوگی اور دائمی

صحت وعافیت کی نعمت کما حقہ معلوم نہ ہوگی۔ کیونکہ جب تک بھوک نہ ہو، طعام کی لذت محسوس نہیں ہوتی اور فرد جب تک مصیبت میں مبتلا نہ ہو، فراغت وآرام کی قدر معلوم نہیں ہوتی۔ گویا چند روزہ مصیبتوں سے مقصود یہ ہے کہ ان کو دائمی ناز ونعمت کامل طور پر حاصل ہو۔ یہ مصیبت ان لوگوں کے حق میں سراسر جمال ہے، جو عوام کی آزمائش کے لئے جلال کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے۔ ''یُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَّيَهْدِىْ بِهٖ كَثِيْرًا'' (اکثر کو اس سے گمراہ کرتا ہے اور اکثر کو ہدایت دیتا ہے)۔

جواب دوم: مصیبتیں اگرچہ عوام کے نزدیک تکلیف کے اسباب ہیں، لیکن ان بزرگواروں کے نزدیک جمیل مطلق ہستی کی طرف سے جو کچھ بھی آئے، وہ ان کے لئے لذت ونعمت ہے۔ یہ لوگ مصیبتوں سے ویسے ہی لذت پاتے ہیں، جیسی نعمتوں سے، بلکہ وہ مصیبتوں سے زیادہ محظوظ ہیں، کیونکہ یہ مصیبتیں محبوب کی خالص مراد اور چاہت ہے، جب کہ نعمتوں میں یہ چیز نہیں ہے، کیونکہ نفس نعمتوں کو چاہتا ہے اور بلا ومصیبتوں سے بھاگتا ہے۔ پس بلا ومصیبت ان بزرگواروں کے نزدیک عین نعمت ہے اور اس میں نعمت سے بڑھ کر لذت ہے۔ وہ لذت جو انہیں اس دنیا میں حاصل ہے، وہ تکالیف ومصائب ہی کی بدولت حاصل ہے۔ اگر دنیا میں بلا کا یہ نمک نہ ہوتا تو ان کے نزدیک دنیا کی حیثیت جَو کے برابر بھی نہ ہوتی اور اگر اس میں یہ حلاوت نہ ہوتی تو دنیا ان کو عبث وبے فائدہ دکھائی دیتی۔ (ایضا)

تشریح

اہل اللہ کے احساسات میں پاکیزگی پیدا ہوجاتی ہے، جس کی وجہ سے حالات وزمانہ کے اثرات ان کے قلب کے سکون کو متاثر کرنے میں ناکام رہتے ہیں، ان کے لئے دنیا کا ہونا، نہ ہونا، عزت وشہرت کا ہونا نہ ہونا، معاشرہ میں حیثیت کا حاصل ہونا یا نہ ہونا، لوگوں کی طرف سے مخالفت کا ہونا یا نہ ہونا، یہ سب یکساں ہوتا ہے۔

احساس کی پاکیزگی کی یہ نعمت عظمیٰ انہیں اللہ کی راہ میں مسلسل مجاہدوں، مشقتوں اور نفسی قوتوں سے شدید مقابلہ کے نتیجہ میں انعام کے طور پر حاصل ہوتی ہے۔

اللہ کی محبت کے رازدانوں کے غم والم کی نوعیت

حق تعالیٰ کے دوست دنیا میں بھی خوش ہیں تو آخرت میں بھی محظوظ ومسرور ہوں گے، انہیں دنیا میں حاصل یہ لذت آخرت میں حاصل ہونے والی لذت کے مخالف نہیں،وہ لذت جو آخرت کی لذت سے محرومی کا نتیجہ ہے، وہ اس سے مختلف ہے،جوعوام کو حاصل ہے۔ الٰہی، یہ کیا ماجرا ہے جو تونے اپنے دوستوں کے ساتھ اختیار فرمایا ہے کہ جو چیزیں دوسروں کے لئے رنج والم کا ذریعہ ہیں، وہ ان کے لئے لذت کا باعث ہیںاور جو چیزیں دوسروں کے لئے زحمت ہیں، ان کے واسطے رحمت ہیں۔ دوسروں کا غم ان کے لئے نعمت ہے، لوگ شادی کی حالت میں خوش ہیںاور غمی میں غمناک، جب کہ ان کی حالت یہ ہے کہ یہ ہرطرح کے حالات میں خوش وخرم ہیں،کیونکہ ان کی نظر جمیلہ ورذیلہ افعال کی خصوصیات کے بجائے ان افعال کی فاعل ہستی یعنی جمیل مطلق ذات کے جمال پر لگی ہوئی ہے اور اس کی محبت کی وجہ سے اس کے افعال بھی ان کی نظروں میں محبوب اور لذت بخش ہوگئے ہیں۔ دنیا میں جو کچھ اس جمیل ہستی کی مرضی کے موافق صادر ہو، خواہ وہ رنج وضرر ہو، وہ چونکہ ان کے محبوب کی عین مرضی ہے، اس لئے وہ ان کے لئے لذت کا سبب ہے، خداوندا! یہ کیسا انعام ہے، جو تو نے ایسی پوشیدہ دولت اور بہتریں نعمت اغیار کی نظر بد سے چھپا کر اپنے دوستوں کو عطا فرمائی ہے اور انہیں ہمیشہ اپنی رضا پر قائم رکھ کر، لذت سے بہرہ ور کیا ہے اور کراہت وبے زاری جو دوسروں کا نصیب ہے، ان بزرگواروں کو اس سے محفوظ رکھاہے۔ اورننگ ورسوائی جو دوسروں کے لئے عیب ہے، اس گروہ کے لئے تونے اسے جمال وکمال بنایا ہے۔ یہ نامرادی ان کے لئے عین مراد ہے جو انہیں دنیا میں حاصل ہے۔یہ لذت وسرور دوسروں کے برعکس ان کے لئے آخرت کی لذت کی ترقیوں کا موجب ہے۔ ’’ ذٰلِکَ فَضۡلُ اللّٰہِ یُؤۡتِیۡہِ مَنۡ یَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰہُ ذُو الۡفَضۡلِ الۡعَظِیۡمِ‘‘ (یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے، جس کو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے)۔

تشریح

اہل اللہ، رضا بالقضا کے مقام پر فائز ہوتے ہیں، یعنی اللہ، جس حالت میں رکھے، وہی حالت ان کے لئے تسکین کا موجب ہوتی ہے،چونکہ بلا اور انعام کے پس پردہ ان کی نظر، ان اسباب کے بجائے اسباب کے خالق ہستی کی طرف ہوتی ہے، اس لئے وہ بلا وانعام دونوں کو یکساں سمجھتے ہیں، اگرچہ بشریت کے تقاضے کے تحت وہ محبوب سے عافیت ہی طلب کرتے ہیں، اغیار کی نظروں سے چھپا کرمحبوب نے انہیں خوشی ومسرت کی جس بے بہا زندگی سے نوازا ہے، اس پر وہ محبوب حقیقی پر سو جانوں سے فدا ہوں تو گویا ذرہ بھی حق ادا نہ ہوا۔

بلاومصیبتوں کا گناہوں کا کفارہ ہونا

حق تعالیٰ سب چیزوں پر قادر ہے اور طاقت رکھتا ہے کہ دوستوں کو یہاں بھی نازونعمت سے رکھے تو وہاں بھی۔ لیکن یہ بات حق تعالیٰ کی حکمت وعادت کے برخلاف ہے۔ حق تعالیٰ کی یہ سنت ہے کہ اس نے اپنی قدرت کو اپنی حکمت میں پوشیدہ رکھا ہے اور اسباب وذرائع کو اپنے اپنی بارگاہ میں چھپا رکھا ہے، پس دنیا وآخرت کے باہم مخالف ہونے کے باعث دوستوں کے لئے دنیا کی مشقت وبلا ہونا ضروری ہے، تاکہ آخرت کی نعمتیں ان کے لئے خوشگوار ہوں۔ یہی مضمون اصل سوال کے جواب میں پہلے گذر چکا ہے۔ اب ہم پھر اصل بات کو بیان کرتے ہیں اور اصل سوال کا جواب دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ دردوبلا مصیبت کا سبب اگرچہ گناہوں اور بُرائیوں کا کرنا ہے، لیکن درحقیقت بلاومصیبت ان بُرائیوں کا کفارہ اور ان گناہوں کے ظلمات کو دور کرنے والی ہیں۔ پس کرم یہی ہے کہ دوست زیادہ سے زیادہ بلا ومشقت میں مبتلا ہوں، تاکہ ان کے گناہوں کا کفارہ اور ازالہ ہو۔ دوستوں کے گناہوں اور برائیوں کو دشمنوں کے گناہوں اور برائیوں کی طرح خیال نہ کریں۔ (ایضا)

تشریح

اہل اللہ کو راہ عشق ومحبت میں مسلسل چلتے رہنے اور اس کے ارتقائی مراحل طے کرنے کے نتیجہ میں ایسی زندگی عطا ہوتی ہے، جو جنتی زندگی کا عکس ہوتی ہے، جس میں دنیا مافیہا سے بے نیازی، حسن اعلیٰ کی ہستی میں محویت، اعلیٰ درجہ کا سکون وسکینت اور اللہ کی مخلوق پر رحم جیسی چیزیں غالب ہوتی ہیں۔

اہل اللہ کو حاصل ہونے والے اس سکون وسکینت کی کیفیت کا اگر اہل دنیا کو معمولی بھی ادراک حاصل ہوجائے تو وہ ساری دولت ان کے قدموں پر نشاور کرکے، عشق ومحبت اور سکینت کے یہ اجزاء ان سے حاصل کریں۔

اسی پس منظر میں بعض اہل اللہ نے کہا ہے کہ جو شخص اس دنیا کی جنت میں داخل نہ ہوا، اس کے لئے وہاں کی جنت میں داخلہ دشوار ہے۔

جدید انسان سکون کی تلاش میں ہے اور وہ اس کے لئے مارا مارا پھرتا ہے، اسے یہ غلط فہمی لاحق ہے کہ سکون کی یہ نعمت، جو اسے مطلوب ہے، وہ کثرت دولت، شہرت کے ذرائع، مادی حسن کے مناظر کے مشاہدہ، جنسی جذبات کی تکمیل اور نشہ وغیرہ کے استعمال سے حاصل ہوگی، حالانکہ یہ انسانی فطرت سے ناآشنائی ہے. بدقسمتی سے مادہ پرستی کی عالمی اور مقامی قوتوں نے اپنے اغراض کی خاطر تعلیم وتربیت، ذہن سازی اور میڈیا کے سارے ذرائع ان خطوط پر ترتیب دیئے ہیں، جس سے سکون وسکینت کے سارے راستے مسدود ہوگئے ہیں۔

اہل اللہ کو جو نعمتیں حاصل ہوئی ہیں، وہ سب ذکر وفکر اور مخلصانہ عبادت کے ذریعہ نفس پرستی کی قوتوں سے طویل عرصہ تک مقابلہ کرکے،انہیں مکمل طور پر اللہ ورسول کی اطاعت میں دینے کے نتیجہ میں ہی حاصل ہوئی ہیں۔ نفس پرستی کی قوتیں ایسی ہیں، جن سے مقابلہ کرنا نہ تو آسان ہے اور نہ ہی یہ کام دوچار سال کا ہے۔ نفس کی قوت دنیا میں موجود سارے درندوں کی مجموعی قوت سے بھی بڑھکر ہے۔

راہ عشق میں طویل عرصہ تک چلتے رہنے کے نتیجہ میں مخلص طالبوں کو ان

قوتوں سے شدید معرکہ آرائی کرنی پڑتی ہے اور مصائب ومشکلات کے پہاڑوں سے گذرنا پڑتا ہے۔

نفسی قوتیں آسانی سے جان چھوڑنے پر تیار نہیں ہوتی، ان سے خوفناک جنگ کرکے ان سے آزادی حاصل کرنی پڑی ہے۔ اس جدوجہد کے دوران طالبوں کو طویل عرصہ تک اللہ کے جلالی صفات کے عکسوں سے بھی گذرنا پڑتا ہے، جب مخلص طالب صبر آزما جدوجہد کے ذریعہ ان مصائب سے گذرنے میں کامیاب ہوتے ہیں تو انعام کے طور پر انہیں نفس مطمئنہ کی نعمت عظمیٰ پر فائز کیا جاتا ہے۔ نفس مطمئنہ کی یہ وہ دولت ہے، جو غیرمعمولی مشقتوں، مصیبتوں اور مجاہدوں کی بدولت فضل خاص کے حاصل ہوتی ہے۔ اس کے بعد اہل اللہ کے لئے عطا وعدم عطا یکساں ہوجاتا ہے۔ فقر کی زندگی محبوب ہوجاتی ہے۔ دنیا کے حوالے سے احساسات پاکیزہ ہوجاتے ہیں، دنیا کے سارے خزانے بھی ان کے لئے لاحاصل وبے معنیٰ ہوجاتے ہیں۔

دنیا سے رخصت ہوتے وقت حضور ﷺ کی بے قراری

آپ نے حسنات الابرار سیئات المقربین (یعنی نیکوکاروں کی نیکیاں مقربین کے گناہوں کے مترادف ہیں) سنا ہوگا اور اگر ان سے گناہ وعصیان بھی صادر ہو تو وہ لوگوں کے گناہ وعصیان کی طرح نہ ہوگا، بلکہ اس گناہ کی حیثیت سہوونسیان کی سی ہوگی اور یہ گناہ ارادہ سے نہ ہوگا اور وہ وہ عزم وقصد سے پاک ہوگا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ (ہم نے اس سے پہلے آدم سے عہد لیا تھا، لیکن اس نے اسے بھلا دیا اور ہم نے اس میں عزم وقصد نہ پایا) پس دردومصائب دراصل برائیوں کے کفارہ کی صورت ہیں۔ نہ کہ برائیوں کا ذریعہ ہیں، یہ دوستوں کو زیادہ بلا سے قریب کرتے ہیں، تاکہ ان کے گناہوں کا کفارہ کرکے ان کو پاکیزہ بنایا جائے۔ اور آخرت میں ان کو مشقتوں سے بچایا جائے، منقول ہے کہ آنحضرت ﷺ کی سکرات موت کے وقت جب حضرت فاطمہ نے آپ کی بیقراری وبے آرامی دیکھی جن کو آنحضرت ﷺ نے الفاطمة بضعة منی (فاطمہ میرے جگر کا ٹکڑا ہے) فرمایا تھا۔

کمال شفقت ومہربانی سے وہ نہایت بے قرار ہوگئیں۔ جب آنحضرت نے ان کی اس بیقرار وبے آرامی کو دیکھا تو آپ نے ان کی تسلی کے لئے فرمایا کہ تیرے باپ کے لئے یہی ایک تکلیف ہے، اس کے بعد کوئی تکلیف ومصیبت نہیں۔ سوچنا چاہئے کہ یہ کتنی بڑی نعمت ہے کہ چند روزہ محنت کے عوض دائمی سخت عذاب سے محفوظ رکھا جائے، اس طرح کا معاملہ دوستوں کے ساتھ ہی کرتے ہیں۔ دوسروں کے ساتھ اس طرح نہیں کرتے اور ان کے گناہوں کا کفارہ کما حقہ یہاں نہیں فرماتے، بلکہ ان کی جزا آخرت پر ٹال دیتے ہیں۔ (ایضا)

تشریح

کسی عالم ربانی کی کتاب میں پڑھا تھا کہ آپ ﷺ کے وصال کے وقت آپ کی بے قراری وبے چینی کا سبب یہ تھا کہ روح کی غیرمعمولی لطافت کی وجہ سے آپ کا جسمانی وجود بھی روح والی حیثیت اختیار کر چکا تھا۔ دونوں ایک ہی صورت اختیار کر چکے تھے، اس لئے آپ کے جسمانی وجود کو روح سے جدا کرنے میں دشواری پیش آئی۔

راہ محبت میں بلا وتکلیف
کی حیثیت اور اس کی حقیقت

اصل سوال کا دوسرا جواب یہ ہے کہ بلا تازیانہ محبوب ہے، جس کے ذریعے محبّ اپنے محبوب کے تعلق کو ما سواء سے ہٹا کر، کلی طور پر اپنی طرف کرنا چاہتا ہے۔ پس دردوبلا کا مستحق دوست ہی ہے اور یہ بلا اس برائی کا کفارہ ہے کہ محبّ کی محبت ماسوا سے ہے، محبوب کے علاوہ دوسرے لوگ اس کی بلا کی نعمت ودولت کے لائق نہیں، محبوب انہیں جبر سے اپنی طرف کیوں لائے، وہ جس کو چاہتے ہیں، اسے مار پیٹ کر بھی اپنی طرف لاتے ہیں، اس طرح اسے محبوبیت سے سرفراز فرماتے ہیں اور جسے محبوب اپنی طرف نہیں لانا چاہتے، اسے اپنے حال پر چھوڑ دیتے ہیں۔ اگر اس

کے ساتھ سعادت ابدی شامل حال ہوگئی تو توبہ ورجوع کی راہ سے ہاتھ پاؤں مارکر اس کے فضل وعنایت سے مقصد تک پہنچ جائے گا، ورنہ وہ جانے اور اس کا کام اللھم لاتکلنی الی نفسی طرفة عین (یا اللہ تو مجھے ایک لحظ کے لئے بھی اپنے حال پر نہ چھوڑ) پس معلوم ہوا کہ کہ مریدوں کی نسبت مرادوں پر زیادہ بلا آتی ہے، اسی واسطے آنحضرت ﷺ نے جو مرادوں اور محبوبوں کے رئیس ہیں۔ فرمایا ہے کہ ما اوذی نبی مثل ما اوذیت (کسی نبی کو اتنی ایذا نہیں پہنچی جتنی مجھے پہنچی ہے) گویا بلا رہنما ہے، جو اپنی حسن دلالت سے دوست کو دوست تک پہنچا دیتی ہے اور دوست کو ماسوئی سے پاک کردیتی ہے، عجیب معاملہ ہے کہ دوست کروڑہا دے کر بلا ومصیبت کو خریدتے ہیں، جب کہ دوسرے لوگ کروڑہا دے کر بلا کو دفع کرنا چاہتے ہیں۔ (ایضا)

سوال: کبھی ایسا ہوتا ہے کہ درد وبلا کے وقت دوستوں سے بھی اضطراب وکراہت ظاہر ہوتی ہے۔ اس کی وجہ کیا ہے؟

جواب: یہ اضطراب وکراہت بشری تقاضا ہے، جو ضروری ہے اور اس کے باقی رکھنے میں کئی طرح کی حکمتیں اور مصلحتیں پوشیدہ ہیں، کیونکہ اس کے بغیر نفس سے جہاد ومقابلہ نہیں ہوسکتا۔

آپ نے سنا ہوگا کہ دین ودنیا کے سردار علیہ الصلوۃ والسلام سے سکرات موت کے وقت کس طرح کی بے قراری وبے آرامی ظاہر ہوئی تھی۔ وہ گویا نفس سے جہاد کا بقیہ تھا، تاکہ حضور ﷺ کا آخری وقت بھی خدا کے دشمنوں کے خلاف جہاد میں صرف ہو۔ شدت مجاہدہ اس بات کی دلالت ہے کہ صفات بشریت کے سارے مادے دور ہوجائیں اور نفس کو کمال فرمانبردار بنا کر، نفس مطمئنہ تک پہنچایا جائے اور اسے پاکیزہ حالت پر لایا جائے، گویا بلا ومصیبت بازار محبت کی چابی ہے، محبت سے

محروم فرد کا اس سے کیا تعلق اور اس کی نظر میں بلا کی کیا قدر و قیمت ہوگی۔ درود بلا کی دوسری وجہ یہ ہے، تا کہ محبّ صادق اور مدعی کاذب کے درمیان تمیز ہوجائے، اگر محبّ،صادق ہے تو وہ بلا وتکلیف سے لذت یاب ہوگا اور اگر وہ محبت کا جھوٹا دعویدار ہے تو وہ بلا سے کراہت ورنج محسوس کرے گا، یہ محبّ صادق ہی ہے، جو بلا کی حقیقت کو سمجھ سکتا ہے اور وہ صفات وبشریت کی حقیقت کو صفات بشریت کی صورت سے الگ کرنے لگتا ہے۔''واللہ سبحانہ الھادی الیٰ سبیل الرشاد '' (اللہ تعالیٰ ہی راہ راست کی طرف ہدایت کرنے والا ہے)۔ (ایضا)

تشریح

زیر نظر مکتوب جو حضرت میر محمد نعمانؒ کے سوال کے جواب پر مشتمل ہے، جو کافی تفصیلی مکتوب ہے۔ اس مکتوب میں (اللہ والوں کو طویل عرصہ تک جن مشقتوں اور بے چینی کے انگاروں سے گذرنا پڑتا ہے، اس کی نوعیت، اور حکمت بیان فرمائی گئی ہے۔ اہل اللہ کی مشقتوں اور محبوب کی طرف سے انہیں حاصل بلا وتکلیف کے موضوع پر آپ کے بیان کردہ یہ نکات اتنے اہم اور اتنے قیمتی ہیں کہ اس موضوع پر ایسی بے مثال بحث کسی دوسری کتاب میں نظر نہیں آئی۔

اس مکتوب میں ابتلا وآزمائش اور بلا وتکلیف کو اہل طریقت واہل محبت کے لئے اللہ سے قربت کی سب سے بڑی علامت بتایا گیا ہے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ بلاوتکلیف، اللہ کے نیک بندوں اور طریقت والوں کے لئے ہار سینگار کی حیثیت رکھتی ہے۔ ابتلا وآزمائش اور بے چینی کے انگاروں سے گذرے بغیر ان کے لئے قرب کے مقامات کا طے ہونا دشوار تر ہے۔ اس اعتبار سے ابتلا وآزمائش محبوب کے وہ انعامات ہیں، جس کے ذریعہ وہ طالبوں کی تربیت کے ساتھ ساتھ اپنے درمیاں ان کے فاصلوں کی دوری کو بھی ختم کرنے کی صورت پیدا فرماتے ہیں۔

ابتلاوآزمائش کی سب سے بڑی صورت نفس سے معرکہ آرائی کے دوراں طالب کو پیش آنے والے حالات اور قبض وبے چینی کے انگارے ہوتے ہیں، جن سے اللہ کی محبت کے رازدانوں اور مخلص طالبوں کو عرصہ تک گذرنا پڑتا ہے۔ابتلا وآزمائش اور قبض وبے چینی کی ایک بڑی حیثیت یہ ہے کہ اس سے طالبوں کے مزاجی اور نفسیاتی ڈھانچہ وسانچہ میں فیصلہ کن تبدیلی واقع ہونے لگتی ہے اور اپنے حالات ومسائل ومعاملات کو مکمل طور پر محبوب کے حوالے کرنے کا ان کا مزاج رفتہ رفتہ پختہ ہونے لگتا ہے۔

ابتلا وآزمائش وقبض وبے چینی کی دوسری حیثیت یہ ہے کہ وہ نفس کے لئے ناقابل بیان اذیت ثابت ہوتی ہے، نفس کو اس کا عادی بنانے سے نفس کی خصوصیات میں تبدیلی واقع ہونے لگتی ہے اور صبر، شکر، بربادی، رواداری، معافی جیسے بہت سارے بنیادی اوصاف پیدا ہونے لگتے ہیں۔

جو طالب عرصہ تک محبوب کے جلالی صفات کے عکسوں سے صبروحوصلہ سے گذر کر، نفسوں کے تزکیہ میں کامیاب ہوتے ہیں، ان کے لئے سعادت دارین کی راہ کھول دی جاتی ہے۔ انہیں خوف وحزن سے محفوظ رکھا جاتا ہے۔ محبوب کی رضا کی زندگی ان کے لئے لکھ دی جاتی ہے۔

ابتلا وآزمائش وبلا کے یہ کتنے بڑی انعامات ہیں، جو طالبوں کو عطا کردیئے جاتے ہیں۔ اگر ان انعامات کا استحضار قائم ہوجائے تو طالب قبض وبے چینی کے مواقع پر واویلا کرنے کی بجائے اسے محبوب کی طرف سے تحفہ سمجھنے لگے۔

اہل اللہ، جو ان قیامت خیز حالات سے گذر چکے ہوتے ہیں، وہ طالبوں کو پورے یقین کے ساتھ حوصلہ دلاتے ہیں کہ وہ نفس کے خلاف دورانِ جنگ میں پیش آنے والے حالات اور قبض وبے چینی کے انگاروں سے خوف زدہ ہرگز نہ ہوں،

شخصیت کا استحکام اسی سے وابستہ ہے۔

کچھ اپنے علوم
ومعارف کا بیان

یہ فقیر حق جل سلطانہ کے انعامات کیا کیا لکھے اور ان کا کیا شکر ادا کرے۔ وہ علوم ومعارف جن کا فیضان ہوتا ہے، خداوند جل شانہ کی توفیق سے ان میں سے اکثر لکھے جاتے ہیں۔ اور ہر اہل وناہل کے کانوں تک پہنچتے رہتے ہیں، لیکن وہ خاص اسرار ودقائق جن کے یہ سیہ فقیر متمیز ہے، ان کا تھوڑا سا حصہ بھی ظہور میں نہیں لا سکتا۔ بلکہ رمز واشارہ کے ساتھ بھی اس مقولہ کی نسبت گفتگو نہیں کر سکتا، بلکہ اپنے فرزند عزیز کے ساتھ بھی جو فقیر کے معارف کا مجموعہ اور مقامات سلوک وجذب کا نسخہ ہے۔ ان اسرار ودقائق کی کوئی رمز بیان نہیں کرتا اور ان کے پوشیدہ رکھنے میں بڑی کوشش کرتا ہے، حالانکہ فقیر جانتا ہے کہ فرزند عزیز محرمان اسرار سے ہے اور خطا وغلط سے محفوظ ہے، لیکن کیا کرے کہ معانی کی دقت اور باریکی زبان پکڑ لیتی ہے۔ اور اسرار کی لطافت لبوں کو بند کر دیتی ہے۔

ویضیق صدری ولاینطق لسانی (میرا سینہ بند ہوجاتا ہے اور میری زبان نہیں چلتی۔)

وہ اسرار اس قسم کے نہیں ہیں کہ فقیر ان کو بیان نہیں کرتا بلکہ وہ ایسے ہیں کہ بیان میں لائے نہیں جا سکتے۔

فریاد حافظ ایں ہمہ آخر بہرزہ نیست　　　ہم قصہ غریب وحدیثِ عجیب ہست

حافظ کی یہ تمام فریاد بے فائدہ نہیں، دراصل قصہ بھی غریب اور حالت بھی عجیب ہے۔

یہ دولت جس کے چھپانے میں کوشش کرتے ہیں، انبیائے علیہم الصلوات

والتسلیمات کے چراغ نبوت سے ماخوذ ہے۔ اور ملائکہ ملائے اعلیٰ علیٰ نبینا وعلیہم الصلوات والتسلیمات بھی اس دولت میں شریک ہیں اور انبیائے علیہم الصلوات والتسلیمات کے تابعداروں میں سے جس کسی کو اس دولت سے مشرف فرمائیں، وہ بھی اس دولت میں میرا شریک ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے دو طرح کے علم سیکھے ہیں، ایک تو وہ علم ہے، جس کو میں تمہارے سامنے منتشر بیان کرتا ہوں اور دوسرا وہ علم ہے کہ اگر میں اس کو تمہارے سامنے ظاہر کروں تو میرا گلا کاٹ دو۔ اور یہ دوسرا علم، علم اسرار ہے کہ جس علم تک کسی کا فہم نہیں پہنچتا۔ **ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَن یَشَاءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ**. (بنام مرزا حسام الدین احمد، مکتوب نمبر ۲۶۷)

تشریح

اللہ تعالیٰ نے حضرت مجدد جیسے اکابر اولیاء کرام کو باطنی مشاہدات کی جو نعمت عطا فرمائی تھی، اس کی حیثیت اس دنیا میں بڑے انعام کی سی ہے۔ اکابر اولیاء کو غیر معمولی مجاہدوں کی بدولت اشیاء کی حقیقت ان پر کھول دی جاتی ہے، بلکہ انہیں سیر وسفر اس طرح کرایا جاتا ہے کہ اصل مقام پر کھڑا کر کے، اس کا مشاہدہ کرایا جاتا ہے، اس طرح انہیں عین الیقین کے مقام پر فائز کیا جاتا ہے۔ لیکن ان کا ظرف اتنا وسیع ہوتا ہے کہ وہ ان سارے مشاہدات کے باوجود محبوب کے رازوں کو اخفا رکھنے کی ہر ممکن کوشش کرتے ہیں۔ بعض اوقات طالبوں کی حوصلہ افزائی اور دوسری مصلحتوں کی خاطر ان میں محبوب کے بعض اسرار کے اظہار کا داعیہ بھی پیدا کر دیا جاتا ہے، لیکن عام طور پر بڑے بڑے اولیاء کرام نے اس سلسلہ میں غیر معمولی احتیاط سے کام لیا ہے۔

انہوں نے دوسری دنیا کے جو مشاہدے کئے ہیں، اگر اس کا ایک فیصد بھی

تحریر میں لایا جاتا تو کتابوں کے دفتر تیار ہوجاتے ۔لیکن اس سلسلہ میں اہل اللہ کی زبان کو گنگ کر دیا جاتا ہے، تاکہ وحی کے ذریعہ اسلامی شریعت کے جو علوم حاصل ہوئے ہیں، جو اصل ہیں اور سب کے لئے ہیں۔ ان کی فیصلہ کن اہمیت قائم رہے۔ اور اہل اللہ کے ان معارف کے ذریعہ شریعت اور اس کے علوم کا تقدس متاثر نہ ہو۔

طریقت میں نئی بات پیدا نہ ہونے دینا

میرے مکرم مخدوم! کوئی نئی بات جو طریقت میں پیدا کریں، فقیر کے نزدیک اس بدعت سے کم نہیں ہے، جو دین میں پیدا کریں۔ طریقت کی برکتیں اسی وقت تک فائز ہوتی رہتی ہیں، جب تک طریقت میں کوئی نئی بات پیدا نہ ہو اور جب کوئی نئی چیز طریقت میں پیدا ہوجائے تو اس وقت طریقت کے فیوض وبرکات کا راستہ بند ہوجاتا ہے۔ پس طریقت کی محافظت کرنا اور طریقت کی مخالفت سے بچنا، نہایت ہی ضروری ہے۔ آپ کو لازم ہے کہ جہاں کہیں طریقت کی مخالفت کسی سے دیکھیں، مبالغہ سے اس کو منع فرمائیں اور طریقت کی ترویج وتقویت کے لئے کوشش کریں۔
(بنام مرزا حسام الدین احمد، مکتوب نمبر ۲۶۷)

تشریح

اس خط میں اہم چیز جس کی تاکید فرمائی گئی ہے، وہ تصوف میں نئی چیزیں شامل نہ کرنے کی ہے۔ تصوف کا ادارہ جو لاکھوں بزرگانِ دین کی کاوشوں کا ثمرہ ہے، اس میں نئی چیزیں شامل کرنے کا مطلب اس کے رخ کو تبدیل کرنا اور اس ادارہ کے ثمرات کو ضائع کرنا ہے، حضرت مجدد جیسی شخصیت کی طرف سے بیان کردہ یہ نکتہ بہت اہم ہے۔

آج ہم دیکھ رہے ہیں کہ تصوف کی صورت سلف کے تصوف سے کافی مختلف ہوگئی ہے، بعض بزرگوں نے بڑے اخلاص کے ساتھ بزرگوں کے متعین کردہ اسباق

اور مجاہدوں میں غیرمعمولی تخفیف کرکے، سلوک کو پندرہ بیس منٹ کی تسبیحات میں تبدیل کر دیا ہے۔ اور خلافتیں بھی پندرہ بیس منٹ کی انہی تسبیحات کی بنیاد پر دی جانے لگی ہیں، یہ حکمت عملی جو اگرچہ بڑے اخلاص کے ساتھ اختیار کی گئی ہے، لیکن اس سے ایک تو تزکیہ کی روح متاثر ہوئی، دوم یہ کہ معاشرہ مجاہدوں کے ذریعہ نفسی قوتوں سے پوری طرح آشنا اور تزکیہ کی حامل شخصیتوں کے قحط سے دوچار ہوگیا ہے۔

بعض بزرگوں کے سینکڑوں خلفاء ہونے کے باوجود حالت یہ ہے کہ معاشرہ پر ان کا اثر نہ ہونے کے برابر ہے۔

اس پس منظر میں حضرت مجدد کا بیان کردہ یہ نکتہ غیرمعمولی اہمیت کا حامل ہے کہ طریقت میں نئی بات پیدا ہونے سے طریقت کے فیوض وبرکات اور اس کے ثمرات بند ہوجاتے ہیں۔

ذکر وفکر کے مجاہدوں کے بغیر نفسی قوتیں پامال ہوسکیں، کردار میں حسن اور رونق پیدا ہوسکے، سلف کی تصریحات کے مطابق ایسا ہونا ناممکنات میں سے ہے، حقیقت یہ ہے کہ حسن کردار، حسن کی خالق ہستی کے ذکر کے تکرار سے ہی پیدا ہوتا ہے، اس کے بغیر شخصیت، حسن کردار کی حامل ہو سکے، امر محال ہے اور حسن کردار کے بغیر خلافت ودرویشی کی مسند پر فائز کرنا، نہ صرف طریقت کے مسلمات کے خلاف ہے۔ بلکہ نامبارک عمل بھی ہے، جس سے تصوف واحسان کا ادارہ حسن کردار کی حامل شخصیتیں پیدا کرنے کی بجائے عامی شخصیتیں پیدا کرنے کا ذریعہ بن جاتا ہے۔

ولایت، قرب اور کشف پر قیمتی گفتگو

واضح ہوکہ کرامات کا ظاہر ہونا، یہ ولایت کی شرط نہیں۔ جس طرح علماء، کرامتوں کے حاصل کرنے کے ذمہ دار وجواب دہ نہیں ہیں، اسی طرح اولیاء، کرامتوں کے ظہور پر ذمہ دار وجواب دہ نہیں ہیں، کیونکہ ولایت کا تعلق اللہ سے

قربت سے ہے، جو ماسوا کو بھول جانے کے بعد اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو عطا فرماتا ہے۔ بعض کو یہ قرب عطا فرماتے ہیں، انہیں کشف وغیرہ عطا نہیں کرتے اور بعض کو یہ قرب بھی عطا فرماتے ہیں تو کشف بھی۔ بعض کو قرب تو عطا نہیں کرتے، لیکن کشف وغیرہ کی صلاحیت دے دیتے ہیں۔ یہ تیسری قسم کے لوگ اہل استدراج ہیں۔ نفس کی صفائی کی وجہ سے انہیں کشف حاصل ہوجاتا ہے، اس طرح وہ گمراہی میں مبتلا ہوجاتے ہیں۔ ''وَيَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ عَلَىٰ شَيْءٍ أَلَا إِنَّهُمْ هُمُ الْكَاذِبُونَ اسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطَانُ فَأَنسَاهُمْ ذِكْرَ اللَّهِ أُولَٰئِكَ حِزْبُ الشَّيْطَانِ أَلَا إِنَّ حِزْبَ الشَّيْطَانِ هُمُ الْخَاسِرُونَ'' (وہ گمان کرتے ہیں کہ ہم کچھ ہیں۔ خبردار یہ لوگ جھوٹے ہیں۔ ان پر شیطان نے غلبہ پاکر ان کو اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل کر دیا ہے۔ یہی لوگ شیطان کا گروہ ہیں۔ خبردار، یہ شیطان کا گروہ ہی گھاٹا اٹھانے والا ہے)۔

یہ ان لوگوں کا نشان حال ہے۔

کرامات کا یقین کی دولت کے لئے عطا ہونا

پہلی اور دوسری قسم کے افراد کو قربت کی دولت حاصل ہے، وہ اولیاء اللہ ہیں۔ ان کی ولایت میں نہ تو کشف سے اضافہ ہوتا ہے، نہ عدم کشف سے۔ ان کی ولایت کے درجات کا مدار قرب ہی ہے بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ کشف کی استعداد نہ رکھنے والا ولی قرب کی زیادتی کی وجہ سے کشف والے شخص سے افضل ہوتا ہے۔ صاحب عوارف (حضرت خواجہ شہاب الدین سہروردی) جو شیخ الشیوخ ہے اور تمام گروہوں میں مقبول ہے۔ اپنی کتاب ''عوارف'' میں اس امر تصریح کی ہے۔ اگر کسی کو میری بات کا یقین نہ ہو تو اس کتاب میں دیکھ سکتا ہے، آپ نے کرامات کے ذکر کے بعد لکھا ہے کہ کرامات اللہ تعالیٰ کی بخشش ہے۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ بعض

کو کشف وکرامات عطا فرماتے ہیں اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ان میں سے وہ شخص زیادہ اعلیٰ رتبہ کا حامل ہوتا ہے، جسے کشف نہیں ہوتا۔ کیونکہ کرامات، یقین کی تقویت کے لئے عطا ہوتی ہیں اور جب کسی کو یقین کی دولت حاصل ہو چکی ہو تو اسے کرامات کی کیا ضرورت ہے۔ (بنام میر محمد نعمان۔ مکتوب نمبر۹۲)

فراست کی دوقسمیں

امام خواجہ عبداللہ انصاری نے جو شیخ الاسلام کے لقب سے مشہور ہیں۔ اپنی کتاب ''منازل السائرین'' میں لکھتے ہیں کہ فراست کی دوقسمیں ہیں۔ ایک اہل معرفت کی فراست، دوسری اہل بھوک واہل ریاضت کی فراست۔ اہل معرفت کی فراست کا تعلق طالبوں کی استعداد اور ان کی پہچان اور ان اولیاء اللہ کو جاننے سے تعلق رکھتی ہے، جو محبوب سے واصل ہو چکے ہیں، جب کہ اہل ریاست واہل جوع کی فراست غیبی صورتوں کے مشاہدہ اور احوال کے کشف سے متعلق ہے، جس کا تعلق مخلوقات سے ہے، چونکہ اکثر لوگ حق تعالیٰ کی بارگاہ سے دور ہوتے ہیں اور دنیا میں مشغول ہوتے ہیں اور جو صورتوں کے کشف اور مخلوق کی غائبانہ خبروں کی طرف مائل ہوتے ہیں۔ ان کے نزدیک یہی سب سے بڑا کمال شمار ہوتا ہے، ان کی نظر میں یہی لوگ اہل اللہ اور حق تعالیٰ کے خاص بندے ہیں، اس طرح وہ اہل حقیقت کی فراست کا انکار کرتے ہیں اور اہل حقیقت کو ان احوال میں جو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بیان کرتے ہیں، تہمت لگاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر یہ لوگ اہل حق ہوتے جیسے کہ لوگوں کا گمان ہے تو یہ لوگ بھی ہماری طرح دوسری مخلوق کے غیبی احوال بتاتے۔ جب ان کو کشف کی استعداد حاصل نہیں ہے تو وہ ان معاملات کے کشف پر جو مخلوقات کے احوال سے اعلیٰ ہیں، کس طرح قدرت رکھیں گے اور اہل معرفت کی فراست کی جو حق تعالیٰ کی ذات وصفات وافعال سے تعلق رکھتی ہے،

اپنے اس قیاس فاسد سے جھوٹا جانتے ہیں، اس طرح وہ ان بزرگوں کے علوم وصحیح معارف سے محروم رہ جاتے ہیں اور نہیں جانتے کہ حق تعالیٰ نے ان لوگوں کو اپنی مخلوقات کے کشف سے محفوظ رکھا ہے اور انہیں اپنی بارگاہ کے ساتھ ہی مخصوص کر لیا ہے اور ان کو مخلوقات سے ہٹا رکھا ہے۔ اگر یہ لوگ خلق کے احوال کے درپے ہوتے تو ان میں بارگاہ الٰہی کے حضور کی صلاحیت باقی نہ رہتی، حضرت خواجہ عبداللہ انصاری نے اس موضوع پر کافی تفصیلی گفتگو فرمائی ہے۔ (ایضا)

کرامات کے ظہور سے نادم ہونا

میں نے اپنے خواجہ حضرت باقی باللہ قدس سرہ سے سنا ہے کہ وہ فرمایا کرتے تھے کہ شیخ محی الدین ابن عربی نے لکھا ہے کہ بعض اولیا، جن سے کرامات ظاہر ہوئی ہیں، وہ آخر میں ان کرامات کے ظہور سے نادم ہوئے ہیں اور یہ خواہش کرتے رہے ہیں کہ کاش، ہم سے یہ کرامات ظاہر نہ ہوتی۔ اگر کرامات کا بکثرت ہونا فضیلت کا باعث ہوتا تو وہ اس طرح کرامتوں پر ندامت کیوں کرتے۔

سوال: جب ولایت، کرامات کی شرط نہیں تو پھر ولی، غیر ولی سے کس طرح جدا ہوسکتا ہے اور سچے اور جھوٹے ولی میں کس طرح فرق ہوسکتا ہے۔

جواب: اگرچہ جھوٹے اور سچے ولی ساتھ ہی رہتے ہوں، (اور بظاہر ان کے درمیاں فرق نہ ہو) کیونکہ حق کا باطل کے ساتھ ملا رہنا دنیا کے لوازم میں سے ہے۔ ولی کے لئے اپنی ولایت کا علم ہونا ضروری نہیں۔ بہت سے اولیاء اللہ ایسے ہیں کہ انہیں اپنی ولایت کا علم نہیں ہوتا تو پھر دوسروں کو ان کی ولایت کا علم کس طرح ہوگا۔ ہاں نبی کے لئے معجزہ کا ہونا ضروری ہے، تا کہ نبی اور غیر نبی میں تمیز ہوسکے، کیونکہ نبی کے لئے اپنی نبوت کا علم ہونا ضروری ہے اور ولی چونکہ اپنے نبی کی شریعت کے موافق دعوت دیتا ہے، اس لئے ولی کے لئے نبی کا معجزہ کافی ہے اور

اگر ولی اپنے پیغمبر کی شریعت کے سوا دعوت دیتا تو اس کے لئے کرامتوں کا ہونا ضروری تھا، لیکن جب اس کی دعوت اپنے نبی کی شریعت کے لئے ہے تو پھر اس کے لئے کرامت کی حاجت نہیں۔ علماء صرف ظاہری شریعت کی دعوت دیتے ہیں، جب کہ اولیاء شریعت کے ظاہر اور باطن دونوں کی دعوت دیتے (اور دونوں کی اصلاح کا فریضہ سرانجام دیتے ہیں) اور اور مریدوں اور طالبوں کی توبہ اور رجوع الی اللہ کی طرف رہنمائی کرتے ہیں اور احکام شرعیہ کے بجا لانے کی ترغیب دیتے ہیں، پھر وہ ذکر الٰہی بتاتے ہیں اور تاکید کرتے ہیں کہ اپنے سارے اوقات ذکر میں مشغول رہیں، تاکہ ذکر غالب آجائے (مزاج کا حصہ بن جائے) اور محبوب حقیقی کے سوا دل میں کچھ باقی نہ رہے اور محبوب کے سواء دوسری چیزوں کو اس طرح بھول جائے کہ اگر تکلف کے ساتھ بھی اس کو یاد دلائیں تو اس کو یاد نہ آئے۔ (ایضا)

ولی کو کرامتوں کی ضرورت لاحق نہیں

ظاہر ہے کہ ولی کو اس دعوت کے لئے جو شریعت کے ظاہر وباطن سے تعلق رکھتی ہے، کرامتوں کی کیا ضرورت ہے۔ بیعت سے مراد دعوت ہے، جس کا کرامت سے تعلق وواسطہ نہیں۔ صادق اور مستعد طالب راہ سلوک میں ہر وقت اپنے بزرگ کی کرامات محسوس کرتا ہے اور باطنی معاملات میں اس سے مدد لیتا رہتا ہے۔ دوسرے لوگوں کی نسبت کرامات کا ظاہر ہونا ضروری نہیں، لیکن مریدوں کے لئے ان کی شخصیت کرامات ہی کرامات ہیں۔ مرید اپنے بزرگ کی کرامات کیوں محسوس نہ کرے، جبکہ اس نے مردہ دل کو زندہ کر دیا ہے اور مشاہدہ ومکاشفہ تک پہنچا دیا ہے۔ عوام کے نزدیک جسموں کا زندہ کرنا عظیم الشان کام ہے، جب کہ خواص کے نزدیک فرد کے قلب وروح کو زندہ کرنا سب سے بڑی کرامت ہے۔ (ایضا)

اہل اللہ کا کام دل اور روح کو زندہ کرنا

خواجہ محمد پارسا قدس سرہ رسالہ قدسیہ میں فرماتے ہیں کہ چونکہ جسم کا زندہ کرنا اکثر لوگوں کے نزدیک بڑے کمال کی بات ہے، اس لئے اہل اللہ اس طرف سے منہ پھیر کر، روح اور قلب کو زندہ کرنے کے کام میں مشغول ہیں۔ واقعی جسمانی زندگی، قلبی وروحانی زندگی کے مقابلہ میں راستہ میں پڑے ہوئے کوڑے کرکٹ کی طرح ہے اور اس کی طرف نظر کرنا عبث وبے فائدہ ہے، کیونکہ جسمانی زندگی چند روزہ زندگی ہے، جب کہ روحانی وقلبی زندگی دائمی حیات کا موجب ہے۔

بلکہ ہم کہتے ہیں کہ درحقیقت اہل اللہ کا وجود کرامت ہے اور خلق کو حق تعالیٰ کی دعوت دینا، اللہ تعالیٰ کی رحمتوں میں سے ایک رحمت ہے اور مردہ دلوں کا زندہ کرنا اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے عظیم نشانی ہے۔ یہی لوگ دنیا کا سرمایہ ہیں۔ ''بھم یرزقون وبھم یمطرون'' (انہی کے طفیل لوگوں پر بارش اُترتی ہے اور انہی کے طفیل ان کو رزق ملتا ہے)۔ انہی کی شان میں وارد ہے کہ ان کا کلام دوا ہے اور ان کی نظر شفا۔ یہی لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے ہم نشین ہیں، ان کا ہم نشین بدبخت نہیں ہوتا اور ان کا دوست رحمتِ حق سے ناامید نہیں ہوتا۔

وہ علامت کیا ہے؟ جس سے اس گروہ کا جھوٹا اور سچا جدا ہو سکے، یہ ہے کہ جو شخص شریعت پر استقامت رکھتا ہو اور جس کی صحبت سے دل حق تعالیٰ کی طرف رغبت محسوس کرے اور دل ماسوا سے سرد ہوجائے، ایسا شخص ہی اہل اللہ میں شامل ہے، مگر یہ بات ان لوگوں کے لئے ہے، جو اس گروہ کے ساتھ مناسبت (یعنی محبت کا) تعلق رکھتے ہیں اور جن کو اس گروہ کے ساتھ مناسبت نہیں، وہ محروم مطلق ہیں۔ (ایضا)

تشریح

راہ محبت میں داخل ہوکر مجاہدوں کے نتیجہ میں نفس کی طرف سے طالب میں

یہ خواہش وآرزو جنم لینے لگتی ہے کہ اسے ان مجاہدوں کا نقد نتیجہ دوسری دنیا کے مشاہدوں اور غیبی صورتوں وشکلوں اور کشف وغیرہ کی صورت میں ملنا چاہئے۔ یہ نورانی روپ میں نفس کا بہت بڑا حجاب ہے، جو عرصہ تک طالبوں کو ان آرزوں کی لپیٹ میں لے لیتا ہے۔

اہل اللہ، جو نفس کے ان حجابات اور فریب کاریوں کا مشاہدہ کر چکے ہوتے ہیں۔ وہ طالبوں کو نفس کے ان حجابات سے نکالنے کے لئے انہیں یہ یقین دلانے کے لئے کوشاں ہوتے ہیں کہ ذکر وفکر کے ذریعہ نفسی قوتوں کو مطیع کرنے کے مقابلہ میں کشف اور خلاف عادت چیزیں کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ یہ کشف تو اہل باطل کو بھی مجاہدوں، بھوکا رہنے، خلوت اختیار کرنے اور مخلوق کی تصویروں کی طرف متوجہ ہونے کے نتیجہ میں حاصل ہوتا ہے۔ جو چیز اہل باطل کو بھی حاصل ہو، وہ خاص انعام کیسے ہوسکتی ہے، دوسروں کے حالات جاننا، وقت سے پہلے واقع ہونے والے حالات وواقعات کا معلوم ہونا، روحوں سے ملاقات کا ہونا، غیبی شکلوں کا سامنے آنا، یہ ساری چیزیں مخلوق ہیں۔ اللہ کو چھوڑ کر مخلوق کی طرف متوجہ ہونا، یہ تو ما سویٰ میں مصروفیت ہے۔ جب کہ راہ طریقت کے مجاہدوں کا حاصل ہی یہی ہے کہ اللہ کے ماسویٰ سے منقطع ہوکر، محض اس کا دھیان اور اس کی حضوری حاصل ہو اور اس کے انوار سے نفسی قوتوں کو پامال کیا جائے۔

ایک کشف وہ ہے، جو نفس کو بھوکا رکھنے، لوگوں سے منقطع ہوکر گوشہ نشین ہونے اور روح کو دنیا واہل دنیا سے یکسو کرنے کے نتیجہ میں غیرمسلموں کو بھی حاصل ہوتا ہے۔ پھر ایسے کشف میں کیا امتیازی خاصیت حاصل ہوئی۔

کشف کی دوسری نوعیت فراست مومنہ والی ہے، جس میں اہل اللہ، طالب کے حالات کو جان کرکے، اس کے لئے رہنمائی کا فریضہ سرانجام دیتے ہیں اور انہیں

راہ محبت کے ارتقائی مراحل طے کراتے ہیں اور ان کی تربیت کر کے، انہیں نفسی قوتوں سے آزادی دلاتے ہیں اور انسانی جوہروں سے بہرہ ور کرتے ہیں۔ فراست مومنہ والے اس کشف کی نعمت تو ہر اہل اللہ کو حاصل ہوتی ہے۔

اس طرح کی فراست مومنہ جس سے طالب کو نفسی قوتوں اور مادیت سے اوپر اٹھا کر انسانی جوہروں سے بہرہ ور کرنے اور نفس مطمئنہ تک رسائی میں رہنمائی کی جائے، یہ فراست مومنہ مروجہ کشف سے سو گنا زیادہ افضل ہے، اگر یہ فراست مومنہ حاصل نہیں تو واقعات وحالات اور صورتوں کا کشف سب بے معنی ہے۔

کشف وکرامات کے موضوع پر حضرت مجدد کی یہ بحث ایسی ہے، جس کا مطالعہ موجودہ دور کے اہل تصوف کے لئے ضروری ہے، تاکہ بزرگی کے غلط معیارات سے بلند ہونے اور غیبی تصویروں وصورتوں سے اوپر اٹھ کر، محض اللہ کو مقصود بنانے کی نفسیات مستحکم ہو سکے۔

اہل اللہ کا سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ جو افراد ان سے محبت کا تعلق مستحکم کرتے ہیں، وہ ان کے لئے ایک نئی اور پاکیزہ زندگی کا ذریعہ بنتے ہیں۔ وہ پاکیزہ زندگی، قلب وروح کی زندگی ہوتی ہے، قلب وروح کو عام طور پر نفسی قوتیں یرغمال بنا کر، ان کا محبوب سے حقیقی تعلق منقطع کر دیتی ہیں۔ علم، دانشوری اور ذہانت کے باوجود فرد، نفسی حجابات اور تاریکیوں کے زیر اثر زندگی گزار رہا ہوتا ہے۔ اہل اللہ سے تعلق قائم ہونے کے بعد پہلی بار فرد وافراد کی حقیقی روحانی، وجدانی اور اصل ایمانی زندگی شروع ہوتی ہے۔ پھر مسلسل صحبت کے ذریعہ اس میں لگاتار ارتقا ہوتا رہتا ہے۔ اہل اللہ کا یہ کارنامہ ایسا ہے، جو جسموں کو زندہ کرنے سے ہزار گنا زیادہ افضل ہے۔ جب دل اور روح زندہ ہو کر، محبوب حقیقی کو اپنا مقصود بنانے لگتے ہیں تو اس کے نتیجہ میں ابدی زندگی کی سعادت حاصل ہوتی ہے۔ اس سے بڑھکر سعادت اور کیا

ہو سکتی ہے۔

مردہ دلوں کا زندہ ہونا، یہ اہل اللہ کی صحبت ہی کا فیض ہوتا ہے۔ اس کے مقابلہ میں کشف وکرامتیں کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ طالب، اہل اللہ کی اس کرامت کا اپنی روز مرہ زندگی میں مشاہدہ کرتا رہتا ہے کہ ان کی صحبت کی برکت سے اس کی ایمانی زندگی میں ترقی ہوتی رہتی ہے، وہ نفس پرستی کی قوتوں سے بلند سے بلند تر ہوتا جا رہا ہے اور اس کی عمل صالح کی استعداد بڑھتی جا رہی ہے۔